TAMEER–E–HAYAT • ISSN 2582-4619 • VOL 57 • ISSUE 05 • 10 JAN. 2020

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

ہندوستان تاریخ کے فیصلہ کُن دوراہے پر

باہمی اعتماد و محبت پیدا کرنے کے لیے ہمیں ایک مجنونانہ اور سرفروشانہ جدوجہد کی ضرورت ہے، ہندوستان تاریخ کے ایک نازک موڑ اور فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا ہے، ایک راستہ ہمیشہ کے لیے تباہی، نہ مٹنے والے انتشار اور نہ ختم ہونے والے زوال کی طرف جاتا ہے، اور ایک راستہ ہمیشہ کے امن و امان، اتحاد و یکجہتی کی طرف جاتا ہے، ہر ایسے موڑ پر کچھ ایسے لوگ سامنے آجاتے ہیں جو تاریخ کا رُخ اور واقعات کا دھارا بدل دیتے ہیں، ان کی دلیری، ان کی صاف گوئی، اور ان کی جاں بازی پورے پورے ملک اور قوم کو بچالے جاتی ہے، یہی لوگ ملک کے معمار ہوتے ہیں، اکثر ایسے لوگ سیاست وحکومت کے ایوانوں سے باہر، ملک کے بے لوث خادموں، اور سچے روحانی درویشوں میں پائے جاتے ہیں، جن کی نیتوں پر شبہ نہیں کیا جاتا، جن کی صداقت اور بے غرضی مسلم ہوتی ہے، اور ان کا ماضی ہر داغ سے پاک ہوتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فی شمارہ ₹20

۱۰/جنوری ۲۰۲۰ء

سالانہ زرتعاون ₹400

شعر وادب

اچھا نہیں ہے ظالم حد سے سوا ستانا

(ملک کی بگڑتی صورت حال سے متأثر ہو کر کہی گئی نظم)

● ....مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

آتا ہے یاد ہم کو رہ رہ کے وہ زمانہ مامون آفتوں سے تھا جب کہ آشیانہ
آباد تھا چمن جب، بے خار تھا نشیمن اہل چمن تھے گاتے خوشیوں کا جب ترانہ
ہائے چمن کو ظالم صیاد نے اجاڑا کانٹوں سے بھر دیا ہے پھولوں کا آشیانہ
آباد جو چمن تھا ویران ہو گیا ہے مرغِ چمن بنا ہے صیاد کا نشانہ
اپنے چمن میں ایسے بیگانے بن گئے ہم سارا جہاں پرایا اپنا نہیں زمانہ
معمور جن کے دل تھے اہلِ چمن کے غم سے افسوس ہو چکے وہ سوئے عدم روانہ
ہے آج حد بھی کوئی غربت کی، بے کسی کی اپنا چمن ہے لیکن پھر بھی نہیں ٹھکانہ
اے کاش کوئی کہہ دے صیاد سے یہ جا کر اچھا نہیں ہے ظالم حد سے سوا ستانا

انجام سے تو ظالم شاید کہ بے خبر ہے
تجھ کو بھی ایک دن ہے رختِ سفر اٹھانا

☆☆☆☆☆

اداریہ

مایوسی نہیں! اپنے مقام کی شناخت اور خدا کی ذات پر اعتماد

● ....شمس الحق ندوی

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے تاریک اور گھٹے ہوئے ماحول میں پیدا ہوئے، جو ان کی قوم بنی اسرائیل کو پورے طور پر گھیرے ہوئے تھا، اور ان کے لیے ظلم وزیادتی کے اس ظالمانہ ماحول سے نکلنے کے تمام راستے بند تھے۔ حالات مایوس کن، تعداد تھوڑی، وسائل معدوم، قوم بے وقعت، دشمن غالب و زبردست، نہ کوئی ان کی ہمدردی کرنے والا تھا، نہ ظلم وزیادتی کے اس ماحول سے نکالنے والا۔

انہی حالات میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں۔ فرعون نے چاہا کہ وہ نہ پیدا ہوں، مگر پیدا ہو کر رہے، اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اسی کے شاہی محل میں پلے بڑھے، جوان ہوئے اور پھر ایسے حالات میں پیدا ہوئے کہ مصر سے بھاگنا پڑا، اور کارسازِ حقیقی اللہ رب العالمین نے ان کو قریبی ملک مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہونچا دیا، اور انہوں نے اپنی ایک لڑکی سے ایک مدت خدمت گزاری کے عوض ان کا نکاح کر دیا۔ مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد پھر مصر کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ راستے میں وہ آگ کی تلاش کے لیے نکلتے ہیں اور ایسا نور پاتے ہیں کہ جس کے ذریعہ مظلوم بنی اسرائیل کی قسمت چمک جاتی ہے۔ وہ منصبِ نبوت سے سرفراز ہو کر فرعون کے خدم وحشم سے بھرے ہوئے دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ مجرم کی حیثیت سے بھاگے تھے، لیکن وہ فرعون اور فرعونیوں کو اپنی دعوت وایمان اور حجت وبیان سے مغلوب کر لیتے ہیں۔ فرعون جادوگروں کی مدد سے اعجازِ موسوی کو دبانا چاہتا ہے، لیکن جادوگرنا کام وقائل ہو جاتے ہیں، اور بے اختیار بول اٹھتے ہیں: "آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ، رَبِّ مُوْسىٰ وَ هَارُوْنَ" کہ ہم رب العالمین ربِ موسیٰ وہارون پر ایمان لائے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکلتے ہیں، فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے پیچھا کرتا ہے اور سجا سجایا پورا ملک چھوڑ کر اسی دریا میں ڈوب جاتا ہے جس نے بنی اسرائیل کو راستہ دے دیا تھا۔

انسانی تاریخ اور خود اسلامی تاریخ میں بارہا ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں، اور خالقِ کائنات نے ایک مدت تک جتنا اس کی حکمت کا تقاضہ تھا، ظالموں کو مہلت دے کر اس طرح نیست ونابود کیا ہے کہ جس کا تصور حیرت میں ڈال دیتا ہے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ حالات بدلنے کے لیے سنجیدہ و باوقار طریقۂ کار اختیار کرنے کے اور اپنے اعمال کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ اس خدائے پاک وبرتر، جبار وقہار، قادرِ مطلق کی طرف رجوع کریں، دعا وتضرع کا اہتمام کریں، جس کے قبضۂ قدرت میں پورا نظامِ کائنات ہے، اور جو ایک لفظِ 'کُن' سے آن کی آن ہی نقشہ کچھ سے کچھ بدل سکتا ہے؛ "اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئاً اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"۔

فرعون ہی کی طرح سے سورۂ کہف میں ایک رئیس مالدار کا ذکر ہے، جس پر اس کے مال ودولت، جاہ وحشم کا ایسا نشہ سوار تھا کہ جب اس کو ایک صاحبِ ایمان نے ایمان کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ: یہ ہمارے باغات، کھیتی باڑی، نوکر چاکر، ہر طرح کے جانور اور سواریاں، تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس رُتبہ کا ہوں، اور اگر تمہارے کہنے کے مطابق قیامت آئی بھی، اور ہم دوبارہ زندہ کیے گئے تو کیا وہاں مجھ جیسے رئیس کو عذاب دیا جائے گا؟ بلکہ وہاں میرا اکرام ہوگا۔ صاحبِ ایمان نے کہا: تم اس مالک کا انکار کر رہے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور ایک نطفہ سے تم کو آدمی بنا دیا۔ اگر وہ چاہے تو تمہارے اس ٹھاٹ باٹ کو ایک آن میں ختم کر دے، چنانچہ یہی ہوا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے باغات، کھیتی باڑی، سب کا سب برباد ہو کر رہ گیا۔ اس کو کوئی سہارا دینے والا نہ ملا۔ اور اب کہتا ہے کہ کاش! ہم نے اپنے مالک کے ساتھ کسی اور کو شریک وساجھے دار نہ مانا ہوتا۔

اہلِ ایمان برابر امتحان وآزمائش کے حالات سے گذرتے رہے ہیں، اس لیے تدابیر کے ساتھ صبر وضبط اور ہمت وحوصلہ سے کام لینا چاہیے، اس کی مدد کس وقت کس شکل میں آئے گی، یہ مالک ہی کے علم میں ہے، اس کی مدد کا تو یہ حال ہے کہ کبھی ان کو ہمدرد ومعاون بنا دیتا ہے جن کے بارے میں خیال بھی نہیں ہو سکتا:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

☆☆☆☆☆

نور بصیرت

ملک وانسانیت کا تحفظ وفکرمندی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

۱۷ر جون ۱۹۹۱ء کو نرسمہا راؤ نے وزارت عظمیٰ کا چارج لیا تھا، حضرت مولاناؒ نے اپنے اس معمول کے مطابق جو ملک کے نئے منتخب وزیر اعظم کے ملک کی اعلیٰ ذمہ داری سنبھالنے کے موقع پر اپنے معروضات اور مخلصانہ مشوروں کے پیش کرنے کا رہا، ان کے نام یکم جولائی ۱۹۹۱ء کو ایک مفصل خط لکھا جو یہاں بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے کہ اس سے نہ صرف لکھنے والے ہی کے خیالات اور صورت حال کی تصویر کشی اور اندیشوں کا اظہار ہوتا ہے؛ بلکہ ملک کی بھی وہ تصویر سامنے آجاتی ہے جو اس وقت اور اس کے بعد تک ملک کی رہی اور اس کا آج بھی تسلسل باقی ہے۔ [ادارہ]

عالی مرتبت جناب نرسمہا راؤ جی!

وزیر اعظم ہندوستان

آداب وتسلیمات کے بعد میں سب سے پہلے آپ کو ملک وقوم کے لحاظ سے اور خدمت انسانیت اور حفاظت وطن کے روشن و وسیع امکانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وزارت عظمیٰ کے اہم منصب پر فائز ہونے اور ملک کی خدمت اور اس کی حفاظت وترقی کے موقع کے ملنے پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں، لیکن معافی چاہتے ہوئے یہ عرض کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ آپ یہ ذمہ داری ایسے موقع پر سنبھال رہے ہیں جب ملک ”قعر مذلّت“ میں گر گیا ہے، اس کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو ملکوں کو کبھی کبھی صدیوں میں پیش آتے ہیں، اس موقع پر سب سے پہلے (ایک مذہبی انسان کی حیثیت سے) یہ عرض کروں گا کہ خدا کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت ہے، جو انسانوں کا پیدا کرنے والا اور ان پر ماں باپ سے زیادہ شفقت کرنے والا ہے، اور قادر وتوانا بھی ہے، اس کے بعد خلوص اور سچی حب الوطنی، قوت فیصلہ، وسیع تجربہ اور دوسرے محبان وطن کے اتحاد وتعاون کی۔

میں اس نازک موقع پر مذہب، اخلاقیات اور تاریخ وسیاست کا ایک وسیع مطالعہ کرنے والے مصنف اور ایک ایسے محبّ وطن کی حیثیت سے (جو ان معروضات کو پیش کرنے اور اس عریضہ کے ذریعہ ملک کی سب سے بڑی ذمہ دار شخصیت سے تعلق و رابطہ قائم کرنے کے ذریعہ کوئی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، ذاتی اور جماعتی غرض نہیں رکھتا) آپ کی خدمت میں مخلصانہ اور بے غرضانہ طریقہ پر کچھ مشورے اور حقائق پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں، امید ہے کہ آپ اپنا تھوڑا سا قیمتی وقت نکال کر اس عرضداشت پر بزرگانہ نظر ڈالیں گے، میں نے اردو کو اپنے اظہار خیال کے لیے اس لیے ترجیح دی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اردو کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، اور بے تکلف اس کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں اور میں خود اس زبان میں زیادہ بے تکلفی سے اظہار خیال کر سکتا ہوں۔

میں اس وقت آپ کا قیمتی وقت جزئی مسائل، ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت (مسلمانوں) کی شکایات وضروریات کے تذکرہ میں صرف نہیں کروں گا، میں اس وقت جو کچھ عرض کروں گا وہ ہندوستان کے عمومی مفاد میں اور اصولی انداز میں ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اس ملک کے بقاء، ترقی، عزت واستحکام اور اس کا معاصر دنیا اور خطرناک و پیچیدہ عالمی صورت حال میں اپنا شایان شان کردار ادا کرنے کے لیے صحیح، محفوظ، باعزت اور بے خطر راستہ وہی ہے، جو تحریک آزادی کے مخلص دانشور اور بلند قامت و قیمت رہنماؤں گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور ان کے ساتھیوں نے تجویز کیا تھا، اور وہ سچے سیکولرزم، صحیح جمہوریت اور ہندو مسلم اتحاد کا راستہ ہے، خواہ وہ کتنا طویل اور مشکل ہو، اس کے علاوہ جو راستہ تجویز کیا جائے گا، اس سے خواہ عارضی ووقتی طور پر کامیابی حاصل ہو، وہ ملک کے لیے تباہ کن اور ان قربانیوں پر پانی پھیرنے والا ہے، جو جنگ آزادی میں عمل میں آئیں، اور ملک کو ایسی مشکلات و مسائل سے دوچار کرنے والا ہے، جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

پہلی چیز جس کو میں ایک مذہب، انسانی تاریخ، فلسفہ اور اخلاق کا ایک طالب علم ہونے کے ناطہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید دوسرا شخص جس پر سیاسی طرز فکر غالب ہے، نہ کہے گا، وہ یہ کہ اس ملک کے لیے دو خطرے بڑے تشویشناک ہیں، اور آپ کی پہلی توجہ کے مستحق ہیں، ایک ظلم وتشدد کا رجحان، انسانی

جان ومال اورعزت وآبرو کی بے قیمتی (خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو) جس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات، طبقاتی اونچ نیچ کی بنا پر پورے پورے خاندانوں اور محلوں کی صفائی، تھوڑے سے مالی فائدہ کے لیے انسان کی جان لے لینا، سفاکانہ جرائم اور مظالم کی کثرت اور سب کے آخر میں لیکن سب سے زیادہ شرمناک حقیقت مطلوب و متوقع جہیز نہ لانے پر نئی بیاہی دلہنوں کو جلادینا یا زہر دے کر ماردینا اوران سے پیچھا چھڑانا ہے۔

جولوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لیے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا جو ماں سے زیادہ محبت کرنے والا اور مہربان ہے، اس عمل سے خوش نہیں ہوسکتا، اور اس کو زیادہ دن برداشت نہیں کرے گا، اور اس کے نتیجہ میں ہزاروں کوششوں اور قابلیتوں کے باوجود کوئی ملک پنپ نہیں سکتا، اور وہ معاشرہ زیادہ دن باقی نہیں رہ سکتا، لیکن جو لوگ مذاہب پر اعتقاد نہیں رکھتے، وہ اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ اس سے کم درجہ کے ظلم اور سفاکی کی وجہ سے بڑی بڑی شہنشاہیاں اور وہ تہذیبیں جن کا کسی زمانہ میں ڈنکا بجتا تھا اور آج بھی تاریخ و ادب کے صفحات پر ان کے تابندہ نقوش ہیں، خاتمہ اور زوال کا نشانہ بنیں، وہ ہے ایک ہی فرقہ سے مطالبات اور اس پر تنقید کا سلسلہ، اپنے کو بالکل بدل دینے اور اپنے ملی و تہذیبی و مذہبی تشخصات سے دست بردار ہوجانے کا مسلسل مطالبہ سیکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند، فراخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارا کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش، اس ملک کو ان نئے مسائل و مشکلات سے دوچار کرے گی جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت، اور اس طرح حکومت، انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت واستحکام میں ضرورت ہے، اس لیے اس شگاف کو جبکہ وہ معمولی توجہ اور مسالہ سے بند ہوسکتا ہے، اس سے پیشتر بند کردیا جائے جب وہ ہاتھیوں سے بھی بند نہیں ہوسکے گا، ملک کے اس عمومی و بنیادی مفاد کی خاطر کسی کی ناراضگی یا الیکشن کے نتائج پر اثر پڑنے یا کسی ریاستی و مقامی انتظامیہ کی ناگواری کا خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ملک ان سب چیزوں سے زیادہ عزیز، اور اصول، مصالح و فوائد پر مقدم ہے، اور یہ محض اصول پسندی ہی کا تقاضہ نہیں ہے، دوربین، حقیقت پسند اور گہری سیاست کا بھی تقاضہ ہے، آپ کی غیر معمولی ذہانت، معاملہ فہمی اور اشاروں سے پورے مضمون اور مسئلہ کو سمجھ لینے کی خداداد صلاحیت کے پیش نظر میں اس سے زیادہ شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

تیسری چیز جو فوری توجہ کی مستحق اور تشویش کا باعث ہے، وہ اخلاقی و انتظامی انتشار (Corruption) ہے، جو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کی وجہ سے بڑی بڑی حکومتیں زوال کا شکار ہوگئیں، اور داستان پارینہ بن کر رہ گئیں، اس صورت حال کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے، سیاسی مسائل اور انتخابی مہم سے زیادہ اس کے خلاف طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے، اس کے لیے گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ جانے کی ضرورت ہے، سخت قوانین، عبرت ناک سزاؤں، ابلاغ عامہ (Public Media) کے ذرائع سے کام لینے اور انتظامیہ (Administration) کو سخت سے سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ ''نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری''۔

اس سلسلہ کی دوسری چیز ہندو احیائیت (Hindu Revivalism) کی تحریک، ہندو پریشد، شیوسینا، آر ایس ایس، اور فرقہ پرستی اور جارحیت وتشدد کے کھلے رجحانات کے سلسلہ میں ادنیٰ سی رعایت لچک اور نرمی ہے، جس سے وقتی طور پر خواہ کچھ فائدہ پہنچ جائے یا پریشانی سے بچا جاسکے، ملک کو زمین دوز اور دھماکہ خیز سرنگوں پر چھوڑ دینا ہے، جو بالآخر ملک کو لے ڈوبے گی، گاندھی جی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ فرقہ وارانہ منافرت، تشدد اور جارحیت، پہلے ملک کے دوعنصروں (ہندومسلم فرقوں) کے درمیان اپنا کام کرے گی، پھر یہی ذیلی مذہبی اختلافات، طبقات اور برادریوں کی صف آرائی اور نسلی، لسانی، صوبائی وعلاقائی تعصّبات کی شکل میں ظاہر ہوگی، اور جب یہ کام بھی ختم ہوجائے گا تو وہ آگ کی طرح (جب اس کو جلانے کے لیے ایندھن نہ ملے تو اپنے کو کھانے لگتی ہے) ملک کو اور امن پسند شہریوں کو اپنا لقمہ بنالے گی اور یہ ملک تباہ ہوکر رہ جائے گا۔

یہ اس جارحانہ احیائیت (Aggressive Revivalism) مجھے اس ملک کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملی، آپ اس سلسلہ میں سرکاری رپورٹوں اور ملک کے نظم و نسق کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ترقی کو نہ دیکھئے، عام

شہریوں، متوسط درجہ کے آدمیوں، اور ان لوگوں سے پوچھئے جن کا عدالتوں، دفاتر، ریلوے، ہوائی سروس، پولیس، تھانوں، ٹیلیفون، اسپتالوں، سرکاری ٹھیکوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے کام پڑتا رہتا ہے، رشوت کے بغیر ادنیٰ درجہ کا کام نہیں ہوسکتا، پیسہ کے ذریعہ ہر کام کرایا جاسکتا ہے، ہر مجرم کو چھڑایا جاسکتا ہے، ہر شریف انسان کو پھانسا جاسکتا ہے، ہر طرح کا غلط فیصلہ حاصل کیا جاسکتا ہے، ہر جگہ فساد کرایا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ملک کے راز بھی بیچے جاسکتے ہیں، دواؤں اور غذاؤں میں ملاوٹ ہورہی ہے، طبی امداد ملنی مشکل ہورہی ہے، مریضوں کے لیے جو انتظامات ہیں، وہ بیکار جارہے ہیں، سنگدلی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، ریلوے، ہوائی سروس میں رشوت کی گرم بازاری سے حکومت کو روزانہ لاکھوں کروڑوں کا نقصان ہورہا ہے، اس سب کی جڑ میں پیسہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، خدا کا خوف دل سے نکل جانا اور انسان سے ہمدردی، ملک سے وفاداری اور اس کے مفاد کو ترجیح دینے اور اس کے نقصان کا خیال رکھنے کے جذبہ کا ختم ہوجانا ہے، ایسی صورت میں ملک صنعتی طور پر، سیاسی طور پر اور خارجی تعلقات کی بنیاد پر، ترقی اور تعلیم کی اشاعت اور خواندگی کا تناسب بڑھ جانے کے باوجود تیزی سے زوال کی طرف جارہا ہے، لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور آخری شرم و ناکامی کی بات یہ ہے کہ انگریزوں کے دور غلامی کو یاد کرتے اور اس کی تمنا کرتے ہیں، جب انتظامیہ چوکس تھی، ریلیں وقت پر چلتی اور پہنچتی تھیں، ہسپتال اطمینان و خوشی اور خدمت وراحت کے ٹھکانے تھے، نوجوان اپنی محنت ولیاقت سے پاس ہوتے تھے، تقرریاں اور ترقیاں قابلیت اور استحقاق کی بنا پر ہوتی تھیں، اب یہ سب چیزیں خواب وخیال ہوگئیں۔

یہ تین چیزیں فوری توجہ کی مستحق ہیں، اور انھیں کی بنیاد پر مستحکم اور دیرپا حکومت قائم ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ اس میں طریق انتخاب، ووٹرس کو ہر حال میں خوش رکھنے، حلقہ ہائے انتخاب کے نمائندوں کی ہر بات ماننے، پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ممبران کو ہر طرح کی ایسی رعایت دینے کو خاص دخل ہے کہ وہ جو غلط کام کرا سکیں، ان کو کھلی چھوٹ ہے، اور پارلیمنٹ کی ممبری ایک ایسی سونے کی چڑیا یا قدیم زمانہ کا افسانوی پرندہ ''ہما'' ہے کہ جس کے سر پر بیٹھ جائے اس کو بادشاہی مل جائے۔

آخر میں ایک بات ایک مذہبی انسان اور تاریخ عالم اور سیاسیات قدیم و جدید کے ایک طالب علم و مصنف کی حیثیت سے اور رکھنا چاہتا ہوں کہ تاریخ و تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ سب سے بڑی سیاست ''خلوص'' ہے، آخر میں اسی کی فتح اور اسی کے حامل کو کامیابی حاصل ہوتی ہے، اور وہی وہ ہتھیار ہے جو دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو فدائی بناتا ہے، اور بالآخر کامیابی دلاتا ہے، یہی وہ خلوص ہے، جس کا ماں کی مامتا میں، پیغمبروں اور بے لوث درویشوں کی شفقت میں، ملکوں کو آزاد کرانے والوں اور اپنے خاندان اور عزیزوں کو بھول کر ملک وقوم کی خاطر بیگانوں کو ترجیح دینے والوں اور ذاتی وخاندانی سربلندی کے بجائے ملک کی طاقت وعزت کو مقدم رکھنے والوں کی بلند نگاہی میں اظہار ہوا ہے، اور اب بھی ہندوستان جیسے عظیم ملک اور مختلف المذاہب اور مختلف الاقوام معاشرہ اور نئے نئے مسائل کا مقابلہ کرنے والے عہد کو یہی ''خلوص'' بچا سکتا ہے، اور ہمیں آپ سے اسی کی امید اور اسی کی ضرورت ہے۔

انسانی اخلاق اور سچی حب الوطنی کی بنیاد رابطہ عوام (Mass Contact) کی کوشش ہے، جس میں فرقہ وارانہ رواداری، احترام انسانیت اور بقائے باہم (Co-Existense) کی اپیل کی جائے، یہ تحریک اور کوشش شہروں کے ساتھ قصبات، دیہاتوں اور گھر گھر پھیلائی جائے اور پوری سرگرمی اور طاقت کے ساتھ پھیلائی جائے۔

فرقہ وارانہ منافرت کا زہر ایک دوسرے کی طرف سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں غیر ملکی حکمرانوں نے منصوبہ بند طریقہ پر پھیلائیں اور بقول ایک انگریز مؤرخ و مصنف (Elliot) کے کہ ''اس تاریخی کتاب میں ایسا مواد جمع کردیا ہے کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل کبھی مل نہیں سکتے'' پھر تنگ نظر اور غلط اندیش تاریخ نویسوں اور نصاب تعلیم مرتب کرنے والے مصنّفین اور محکمہ تعلیم نے اس کام کو آگے بڑھایا اور اسی روش پر چلے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہماری نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ کا ذہن ہندوستان کے سابق حکمرانوں بلکہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کے بارے میں غلط تصورات بلکہ معاندانہ جذبات رکھتا ہے اور وہ زہر ان کی پوری زندگی اور کردار میں سرایت کرگیا ہے، ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم کی فوراً اصلاح کی جائے، نصابی تاریخی کتابوں اور مضامین سے یہ مواد نکالا جائے، اس کے بغیر صاف ذہن کی نئی نسل تیار نہیں ہوسکتی، جس کی اس ملک کو ضرورت ہے۔

ہندوستان کا پریس حتی کہ ''ذرائع ابلاغ''

(Public Media) خبریں دینے اور تبصرہ کرنے میں اکثر غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کرتے ہیں، اور ان کی وجہ سے پبلک کا ذہن متاثر بلکہ مشتعل ہوتا ہے، اور بجائے قرب واعتماد حاصل ہونے کے نفرت وحقارت اور انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ رائی کا پربت بناتے ہیں اور واقعہ کی یکطرفہ تصویر دکھاتے ہیں، جب تک پریس اور ذرائع ابلاغ پر قابونہیں پایا جائے گا اور ان کا صحیح استعمال نہیں ہوگا، ملک کی آبادی کے مختلف عناصر کی یہ دوری اور ایک دوسرے کے خلاف بداندیشی اور بدگمانی دورنہیں ہوگی۔

انگریزوں نے (چونکہ وہ سات سمندر پار سے آکر اس ملک پر حکومت کررہے تھے، جس کا ان کوکوئی استحقاق نہ تھا، اور وہ اپنی حکومت کو صرف خوف ورعب کے ذریعہ قائم رکھ سکتے تھے) انھوں نے پولیس کی شکل میں ایک ایجنسی قائم کی جو لوگوں پر حکومت کا خوف اور رعب قائم کرسکے، اور وہ ہمیشہ اس سے لرزہ براندام رہیں، اور اپنی عزت وعافیت کی خیر منائیں، انھوں نے نہ صرف اس میں کام کرنے والوں کی اخلاقی تربیت سے اعراض کیا بلکہ اس کو اس کے برعکس ایسی تعلیم دی اور اس کو اس کی کامیابی کا معیار قرار دیا کہ جس سے ہر شریف آدمی اور باعزت انسان ڈرتا ہے۔

جب خود ہندوستانی اور اہل ملک، ملک کی حکومت وانتظامیہ پر فائز ہیں، تو ان کو پولیس کی انسانی اخلاقی تربیت کرنی چاہیے، ان میں خدمت واعانت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے، اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ اور ہمدرد انسان اور اپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیلی کردینے کی کوشش کرنا چاہیے کہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور وتأثر بدلے، اور وہ ان کو اپنا محافظ ومعاون سمجھیں، ان کے دائرہ اثر میں کوئی فرقہ کسی فرقہ کے ساتھ، کوئی فرد کسی فرد کے ساتھ زیادتی نہ کرسکے اور وہ فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم و تعدی کے راستہ میں (خواہ وہ کسی فریق کی طرف سے ہو) سد سکندری بن جائیں۔

اسی کے ساتھ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت اور کسی ایسے اقدام اور قانون سازی سے احتیاط اور خاموشی برتی جائے جس کو مسلمان اپنے دین میں مداخلت اور دستور ہند کی دی ہوئی آزادی کی تنسیخ کے مرادف سمجھیں، آنجہانی راجیو جی کے زمانہ میں نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ دیا جس کی مخالفت میں مسلمانوں نے ایسا ملک گیر احتجاج کیا جس کی (جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے) ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد مشکل سے مثال ملے گی، آنجہانی راجیو جی نے اس موقع پر حقیقت پسندی اور اخلاقی جرأت سے کام لیا اور پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر مسلمانوں کے مطالبہ اور مرضی کے مطابق وہ بل پاس ہوگیا، جس سے ان کے مذہب وشریعت کے مطابق قانون بنا اور سپریم کورٹ کا فیصلہ منسوخ ہوگیا، میری مخلصانہ درخواست ہے کہ آئندہ بھی کسی انتہا پسند فریق کے اثر میں آکر کوئی ایسی غلطی نہ کی جائے جس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں جو اپنے مذہب و قانون (شریعت) کے بارے میں بڑے حساس اور غیور واقع ہوئے ہیں، کوئی ردعمل پیدا ہو۔

آخر میں پھر آداب وتسلیمات اور نیک دعائیں اور نیک خواہشات۔

مخلص

یکم جولائی ۱۹۹۱ء

سید ابوالحسن علی ندوی

لکھنؤ

☆☆☆☆☆

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ **قرآن مجید کا پیغام**

از- (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

رہبر کامل

قرآن مجید کا تصورِ انسان

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

"وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ". [سورہ بقرہ:۳۰]

(اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں، وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں)۔

قرآن مجید کی تعلیمات کسی خاص قوم یا زمانہ تک محدود نہیں، اس کی تعلیمات اور اس کا تصورِ انسان ہمہ گیر اور وسیع ہے، اس تصور میں زندگی کے وہ تمام گوشے شامل ہوجاتے ہیں جن پر چل کر انسان، اعلیٰ ومعیاری صفات کا انسان بنتا ہے، مثلاً ظلم کا جواب ظلم سے نہ دینا، دوست تو دوست ہے دشمن کے ساتھ بھی بھلائی کرنا، ریاکاری سے بچنا، بے عملی وبے کاری سے بچنا، بخل سے بچنا، فضول خرچی سے بچنا، غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرنا، بے غرض اور بے لوث ہوکر لوگوں کے کام آنا، صلہ رحمی، ماں باپ کی خدمت کرنا، بچوں سے محبت، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت، ہمسایوں کے ساتھ سلوک، قناعت اور استغناء کی صفات اختیار کرنا، یہ وہ فضائل ہیں جو اسلام کے تصورِ انسان میں داخل ہیں، اور ان کی خالق کائنات رب العالمین نے اپنے کلام مقدس قرآن مجید میں تلقین کی ہے، چنانچہ عہد اول کے مسلمانوں نے ان پر بخوبی عمل کیا، انہوں نے قرآن مجید کی تعلیمات کو اپنے دل ودماغ میں اتارا اور اعلیٰ انسانی خصلتوں اور صفات کا بہترین نمونہ پیش کیا، مکہ میں قیام کے دوران ان میں یہ سب خوبیاں ملتی ہیں، اور جب وہ مہاجر بن کر مدینے آئے تو مدینہ کے مسلمان انصار نے خود تکلیفیں اٹھا کر مہاجرین کی مصیبتیں دور کیں، قرآن شریف نے سورۂ حشر میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ". [سورہ حشر:۹]

(اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود حاجت مند ہوں)۔

سورۂ دہر میں صحابۂ کرام کی اسی قسم کی انسانی خصوصیات کی تعریف کرتے ہوئے قرآن پاک نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً". [سورہ دھر:۸]

(خود کھانے کی خواہش کے باوجود وہ مسکین، یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلا دیتے ہیں)۔

اچھی بات کہنا اور بری بات سے روکنا بھی قرآن کے تصورِ انسان میں شامل ہے۔ خاص طور پر امت محمدیہ علی صاحبہا السلام پر اس بات کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اس کے ساتھ خود نیکی اختیار کرنے اور دوسروں کی بھی راحت کی فکر کرنا اس کے اچھوں کاموں میں قرار دیا گیا ہے اور اس کی تلقین کی گئی ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ" [سورہ آل عمران:۱۱۰]۔

(تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

کسی بھولے بھٹکے مسافر کو راستہ دکھانا، راستے سے پتھر، کانٹا اور رکاوٹ دور کرنا بھی انسانیت ہے۔ کسی کے ساتھ نیکی کر کے اس کو یاد نہ دلانا، احسان نہ جتانا، شکریہ کا طالب نہ ہونا، نمود ونمائش سے بچنا یہ سب اسلام کے تصور انسان میں آتا ہے۔ چنانچہ عام مسلمانوں کو تاکید ہے کہ:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُبْطِلُواْ صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالأذَى" ۔[سورہ بقرہ:۲۶۴]

(اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور اس کو جتا کر ضائع نہ کرو)۔

کیونکہ اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس صدقہ وخیرات سے بہتر ہے جو احسان جتا کر داس کے دل کو جس کو دیا جا رہا ہے صدمہ پہنچایا جائے، اس لیے صدقہ وخیرات کے لیے یہ زیادہ اچھا قرار دیا گیا ہے کہ اس طرح چھپا کر دیا جائے کہ اس میں ریاکاری کو دخل نہ ہو، دوسری بات یہ ہے کہ صدقہ وخیرات کھلے دل سے ہنسی خوشی ہونا چاہیے، جبر وکراہت سے نہ ہو کہ یہ منافقت کی نشانی ہے اور اسلام کے تصورِ انسان کے منافی ہے۔

ان باتوں سے قرآن کے تصورانسان کی وسعت اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام کا تصورانسان جامع تصور ہے کہ وہ خوبیوں کی مختلف شکلوں کو جمع کرتا ہے ، وہ ایک طرف تواضع و انکساری پر زور دیتا ہے، دوسری طرف وہ خودداری اورعزت نفس کی بھی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ جہاں غریبی، مسکینی کے حالات پر صبر و برداشت کی تلقین کرتا ہے ،وہاں وہ شوکت وسطوت اورجلال وجمال دونوں کواپنانے کی تلقین کرتا ہے، اسلام کا تصورانسان دنیا کے امن وسلامتی اور ترقی وخوش حالی کے لیے دونوں قسموں کی قوتوں میں امتزاج پیدا کرتا ہے، چنانچہ اسلام کا تصورانسان اپنے ماننے والوں میں صرف عاجزی، انکساری اور مسکینی ہی پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ عزم، بلند ہمتی، استقلال، ثبات، عزتِ نفس اور خودداری کے جوہر بھی اجاگر کرتا ہے۔

غرض قرآن مجید کے تصورانسان کی خوبی یہ ہے کہ اس نے دنیا کوانسانی اخلاق کا ایسا جامع نظام دیا جوانسان کے معیار بلند کے مطابق ہے، اسی کے ساتھ اس کو انسانی فطرت اور عمل کی قابلیت کے مطابق قابل عمل اور آسان بنایا کہ ہر شخص، ہر قوم اور ہر زمانے کے لیے قابل عمل ہو، یہ اسلام ہی کے تصورانسان کی دین ہے کہ محکوموں نے حاکموں کی، پست نے بلندکی، ادنیٰ نے اعلیٰ کی اورتنزل نے ترقی کی جگہ حاصل کی، فرمایا:

”وَأَنتُمُ الأَعۡلَوۡنَ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ“

[سورہ آل عمران:۱۳۹]۔

(اور تم ہی غالب ہوگے اگر تم مومن رہے)۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مشہور ومعروف تصنیف

دین وشریعت

کا ۳۲واں ایڈیشن، کمپیوٹر کمپوزنگ اور جلی سرخیوں کے ساتھ شائع

اس کتاب میں ضروری تفصیل کے ساتھ

توحید، آخرت ورسالت، نماز وروزہ، زکوٰۃ وحج، اخلاق ومعاملات، دین کی خدمت ونصرت
دعوت وجہاد، سیاست وحکومت، اوراحسان وتصوف کے عنوانات پر
ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ شکوک وشبہات کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں
غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہوکر اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے، اوردل ودماغ، عقل ووجدان
اطمینان وسکون سے معمور ہوجاتے ہیں۔
یہ کتاب ان مسائل میں سلف صالحین کے مسلک پر پورا اطمینان بخشتی ہے۔
نیز مسلمان تعلیمیافتہ طبقہ کے لیے اوراُن غیر مسلموں کے لیے بھی جو اسلام کو کسی حد تک
علمی وعقلی اور عملی طور پر سمجھنا چاہتے ہیں ایک رہنما اور معلّم کتاب ہے۔
اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ذہنی اطمینان اور قلبی انشراح کے علاوہ
یہ حلاوتِ ایمان اور ذوقِ عمل بھی پیدا کرتی ہے۔

سائز 18x22/8 صفحات ۲۴۰ قیمت-/250روپے

الفرقان بکڈپو کی دو نئی مطبوعات ازافادت حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

غیراسلامی اقتدار کے تحت رہنے والے مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

ایسے علاقوں اور ملکوں کے مسلمان شہریوں کے لیے جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے لیکن وہاں کی حکومتیں ایسی ہیں کہ جو پُرانے دقیانوسی طریقوں سے تو نہیں لیکن نئی شاطرانہ چالوں اور سیاسی عیّاریوں سے مسلمانوں کو توڑنے کی خفیہ وعلانیہ کوششیں کرتی ہیں، ایک لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔ ملک کے موجودہ ماحول میں اس پر عمل ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ نیز مولانا موصوف کا اس سلسلہ کا ایک عملی نمونہ بھی شامل اشاعت ہے جو ان حالات میں اللہ پر اعتماد اور حوصلہ وجرأت پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ قیمت-/30

کامل ومسنون وضو اور اس کی برکتیں

کامل وضو کیا ہے؟ اور اس سے روحانی نشاط وانبساط کیسے حاصل ہوتا ہے؟ کون سا وضو گناہوں کی صفائی ومعافی کا ذریعہ ہوگا؟ قیامت میں اعضاء وضو کی نورانیت کس وضو سے حاصل ہوگی؟ ان سب کا جواب احادیث کے حوالوں سے۔ ساتھ میں مسواک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید، اس کی اہمیت اور اُس کے استعمال پر اللہ تعالیٰ کی رضا کا بیان۔ قیمت-/40

شائقین فون نمبر 0522-4315664 پر رابطہ کریں یا موبائل نمبر 7355939707 پر اپنا پتہ اور مطلوبہ کتاب کے نام وتعداد کا میسج (Message) کریں اور بتائے گئے طریقہ پر عمل کرکے کتابیں حاصل کریں۔
ناظم الفرقان بکڈپو لکھنؤ

فکر و عمل

نیا عیسوی سال اور اس کے تقاضے

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

نیا عیسوی سال بحمد اللہ شروع ہو گیا، جنوری میں سال کا آغاز ہوتا ہے اور دسمبر میں اس کا اختتام، ہم ہر نئے سال کو اس پہلو سے نہیں دیکھتے کہ ایک سال آیا اور ایک سال گذر گیا، بلکہ ہم اس جذبہ سے دیکھتے ہیں کہ ہم سال گذشتہ ہونے والی کوتاہیوں کی تلافی کریں گے، اور جو کام ناقص رہ گئے ان کو پورا کریں گے، اور جو کمی رہ گئی، اور جو کوتاہی ہوئی ہے اس کو دور کریں گے، امید ہے کہ یہ نیا سال ہمارے لیے باعث خیر وسعادت ہو، اور اعمال صالحہ کے لیے محرک ہو، بلکہ ان کے خوش کن نتائج دیکھنے کا موقعہ فراہم کرے۔

کامیابی کا انحصار کوشش پر

ہمارا دین مستقبل سے مایوس ہونے کی تعلیم نہیں دیتا، اور نہ معرکۂ حیات سے پیچھے ہٹنے کی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کی تلقین کرتا ہے، کام کتنا ہی معمولی ہو، وسائل خواہ کتنے ہی کم ہوں، ذرائع کتنے ہی محدود اور نا قابل التفات ہوں، اسلام ہمیں آگے بڑھنے کی طرف مہمیز لگاتا ہے، اور نتائج کو اللہ کے حوالہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ انسان اپنی کوشش کے بقدر نوازا جاتا ہے، کامیابی وکامرانی کا انحصار اس کی سعی وکوشش پر ہے، نہ کہ سستی وکاہلی پر اور کمزوری پر۔ قرآن مجید میں ہے: "وَأنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعَى وَ أنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الأوْفَى" [نجم: ۳۹-۴۱] (انسان کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی، اور اس کی کوشش نتیجہ خیز ہوگی، پھر اس کو اس کا بھرپور بدلہ ملے گا)، کسے معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھرپور بدلہ کیا ہے؟ اور کون اپنے حاشیہ خیال میں لاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مکمل انعام کس صورت میں ظاہر ہوگا؟ زبان نبوت نے اشارہ کیا ہے: "أعددت لعبادي ما لا عين رأت ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر" (میں نے اپنے بندوں کے لیے تیار کیا ہے، جس کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا، اور کسی کان نے نہ سنا، اور کسی دل میں نہ اس کا خیال آیا)۔

انسان کی قیمتی متاع

اس عالم فانی میں انسان کے لیے وقت ایک ایسی متاع بیش بہا ہے جو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کسی قیمت کے عوض واپس نہیں لائی جاسکتی، دنیا کی نایاب سے نایاب شے کے ملنے کی توقع ہر وقت کی جاسکتی ہے اور بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی کا امکان موجود ہے، لیکن وقت انسان کی وہ کنجی ہے جو کھو جانے پر پھر واپس نہیں مل سکتی، اور زندگی کا قفل پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا ہے، اسی لیے وقت کو انسان کی سب سے اہم ترین اور قیمتی متاع بتایا گیا ہے اور ہر دور کے عقل مند انسانوں نے اس کی قدر کی ہے اور اس کی حفاظت کا مکمل انتظام کیا ہے۔

آپ اپنی زندگی کی تاریخ پر نظر ڈالئے، اور اس وقت کا احساس کیجیے جب سے آپ نے زندگی کا سفر شروع کیا ہے اور دنوں پھر مہینوں کو شمار کرنا شروع کیجیے، تو آپ کو اپنے وقت کا حساب لگانے میں ذرا بھی دقت نہیں پیش آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا جیسے ابھی ابھی کل ہی کی بات تو ہے، دنیا کی زندگی میں جس طرح یہ احساس پیدا ہوتا ہے، بالکل قیامت کے دن بھی حساب کے موقع پر اسی احساس سے دوچار ہونا پڑے گا، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: "وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا إلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ" [سوره یونس: ۴۵] (اور جس دن خدا ان کو جمع کرے گا تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ گویا وہاں گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے ہی نہیں تھے)۔

لیکن دنیا کے لوگوں کی حالت کتنی عجیب ہے کہ قضا وقدر ان کو متنبہ کر رہی ہے، اور وہ اس سے غافل ہیں، ان کی زندگی کی قیمتی ساعت پوری برق رفتاری کے ساتھ گذر رہی ہے، لیکن وہ اس حقیقت سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

ایمان اور تقویٰ کی علامت

اسلام دین رحمت ہے، وہ زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور اس کو خوشگوار بنانے کے لیے وہ ایسا نظام مرتب کرتا ہے جو ایک مثالی معاشرہ کو وجود میں لائے جس کی بنیاد اعلیٰ انسانی قدروں پر قائم ہو، لیکن مثالی معاشرہ اسی وقت برپا ہو سکتا ہے، جب اس کا ہر فرد اپنے وقت کی قیمت اور اپنے لمحات کی اہمیت کو بھی سمجھتا ہو، وہ اس اصول سے پوری طرح واقف ہو کہ "الوقت كالسيف، إن لم تقطعه قطعك" (وقت ایک تلوار ہے اگر تم اس سے کاٹنے کا کام نہیں کروگے تو کسی دن وہ تم کو کاٹ دے گی)۔

انسان اپنے وقت کی قیمت پہچانے اور اس سے کام لے، یہ بھی ایمان اور تقویٰ کی علامت ہے، زمانے کے الٹ پھیر اور لیل ونہار کی گردش سے سبق حاصل کرنا اہل تقویٰ کا شعار ہے، وہ اس سے سبق لے کر اپنے قیمتی وقت کو اس کام میں لگاتے ہیں جو آنے والی زندگی میں ان کی مدد کر سکے۔

اسلام نے عبادات کے اندر بھی وقت کی اہمیت اور ترتیب کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے، پنج گانہ نمازوں میں وقت کی ترتیب کس قدر نمایاں ہے، سال میں مقررہ وقت پر روزہ کی عبادت، زکوٰۃ اور حج کی عبادت یہ سب کچھ اس بات کا مظہر ہے کہ اسلام وقت کی قیمت کا کس قدر قائل ہے۔

زندگی کو منظّم اور بامقصد بنانے میں وقت کی ترتیب اور اس کے نظام کو بڑا دخل ہے، اسی لیے ایک مسلمان کے نزدیک ہر کام کا ایک وقت اور ہر عمل کی ایک ترتیب ہے۔

انسان اپنی ذمہ داری کو اسی وقت امانتداری کے ساتھ ادا کرسکتا ہے جب وہ وقت کی اہمیت کا پورا احساس رکھتا ہو، وہ سمجھتا ہو کہ کام کو اس کے مقررہ وقت میں انجام دینا خوشگوار زندگی حاصل کرنے اور مثالی معاشرہ قائم کرنے میں سب سے زیادہ معاون ہے۔ وقت کی قیمت کو سمجھنے والے اور اس کی اہمیت کا احساس رکھنے والے ہر زمانہ میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، خالص مادی نقطۂ نظر سے وقت کی قیمت کو سمجھنے والے بھی مادی حیثیت سے دوسروں کے مقابلہ میں کم ہیں، مادہ پرست قوموں نے بھی جب وقت کی قدر کی اور اس سے پورا فائدہ حاصل کیا تو زندگی کے میدان میں وہ آگے بڑھ کر رہیں، اور اپنی حریف قوموں کے مقابل میں وہ مادی ترقیوں میں اتنی آگے نکل گئیں کہ کوئی ان کے مدمقابل آنے کی ہمت نہ کرسکا۔

قوموں کی ترقی کا راز

آج بھی دنیا کی جن قوموں نے وقت کی قیمت کو محسوس کرلیا، وہ تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگیں، اور انہوں نے ایسے حیرت ناک کارنامے انجام دیے جو اہل زمانہ کی نگاہوں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مسلمان کا ہر لمحہ اس کے لیے خیر و برکت کا پیغام ہے اور خوشگواری ومسرت کا انعام ہے، بشرط کہ وہ اس سے مستفید ہو، اور صحیح معنوں میں اس کی قیمت سمجھ سکے، اس لیے کہ گذرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آسکتا، اور نہ اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دن کے شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کرتا ہے کہ اے ابن آدم! میں ایک مخلوق ہوں اور تمہارے اعمال پر گواہ ہوں، اس لیے کہ جو عمل صالح کرنا ہو کرلو، ورنہ یاد رکھو میں واپس نہیں آسکتا،

قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا" [سورہ فرقان:۲۵] (ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا، ہر اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور شکر گذار بننا چاہے)۔

قوموں کی ترقی کا راز وقت کی ترتیب و تنظیم میں جس حد تک مضمر ہے کسی اور چیز میں نہیں، تاریخ کی کتنی بڑی بڑی شخصیتیں وقت کی قیمت پہچاننے کے بعد اس منزل پر پہنچیں جہاں سے انہوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جو تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں۔ آج بھی اور ہر زمانہ میں تاریخ کا ہیرو، قوموں کا قائد اور مثالی شخص وہی شخص بن سکتا ہے جو اپنے وقت کی قدر پہچان کر اس سے پوری طرح مستفید ہوسکے۔

انسان کی عمر اس کا سب سے عظیم سرمایہ ہے، قیامت کے دن جن چار باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سوال کرے گا، ان میں سب سے مقدم یہی سوال ہوگا کہ اس نے اپنی عمر کس چیز میں گذاری، حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن کسی بندہ کا قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، عمر کے بارے میں کہ کس مشغلہ میں گذاری، جوانی کے بارے میں کہ اس کو کس کام میں لگایا، مال کے بارے میں کہ اس کو کہاں سے کمایا اور کس جگہ صرف کیا، علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کہاں تک عمل کیا۔

بامقصد صحافت

جس بامقصد صحافت کا ہم نے بیڑہ اٹھایا ہے کہ وہ عالمی ترقی یافتہ صحافت کے مقابلہ میں بہت معمولی ہے، اور وہ بھی وقت اور سال کے دائرہ سے باہر نہیں ہے، اور اس کی مثال بظاہر ایسی ہے جیسے کسی بڑے اور کشادہ نقشے میں ایک چھوٹا سا نقطہ اور پوائنٹ ہوتا ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہم اس کے لیے بالکل تیار نہیں کہ اوہام وخرافات کا ہمارے اوپر غلبہ ہو، اور ہم یاس وناامیدی کے شکار ہوجائیں، اور میدان عمل چھوڑ دیں، حالات کے مقابلہ سے پیچھے ہٹ جائیں، اور دوسروں کے راہ ہموار کردیں کہ وہ ہماری قدیم اقدار وروایات پر ڈاکہ ڈالیں اور ہمارے معاشرہ میں لاقانونیت پھیلائیں، اباحیت کو فروغ دیں، اور لوگوں میں اخلاقی بیماریوں کو عام کریں۔

اگرچہ ہماری صحافت بظاہر موجودہ سیلاب بلاخیز کو روک نہیں سکتی، لیکن ہم اس کے اثرات اور نتائج کے مکلّف نہیں، بلکہ سعی وعمل اور جدوجہد کے ذمہ دار ہیں، ہم ان حالات میں کس طرح حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے کو تیار کرتے ہیں؟ اور اپنے وسائل وذرائع کو اس مقصد کے کس حد تک وقف کرتے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے، جو ہر باضمیر کو سوچنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اسی مخلصانہ شعور اور سچی تڑپ کے ساتھ ہم عیسوی سال کا آغاز کررہے ہیں، اللہ ہی ہمارا حامی اور مددگار رہو۔

(ترجمانی: برکت اللہ ندوی)

☆☆☆☆☆

ملی فکرمندی

مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی ایمانی فراست

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

تحریک ''پیام انسانیت'' کا قیام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی فراست اور انسانیت کی فکرمندی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، حالانکہ بعض مسلم قائدین نے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ یہ تحریک وحدت ادیان کا اسٹیج ثابت ہوسکتی ہے اور اسلام کی دعوت کے عمل وحرکت میں رکاوٹ پیدا کرسکتی ہے، لیکن یہ حقیقت اب تسلیم شدہ ہے کہ یہ تحریک، انسانی سلوک وکردار کی اصلاح، تمام ادیان کے متفق علیہ امور و معاملات میں اخلاقی اقدار وقیم کی پاسداری کا بہترین اسٹیج ثابت ہوئی ہے، نیز یہ تحریک، مادیت، حب مال، حب جاہ اور مصلحت کوشی کی دلدادہ سوسائٹی کی اصلاحی ضرورت اور موجودہ زمانہ کی پکار ہے، یہی وجہ ہے کہ اس تحریک نے سارے ادیان وملل کی طرف سے داد تحسین حاصل کی ہے، ان انسانی اغراض ومقاصد کے علاوہ یہ تحریک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے میں بڑی سودمند ثابت ہوئی ہے، نیز ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع فراہم کرتی ہے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ودشمن تحریکات نے ان کے سلسلہ میں جو شکوک وشبہات جنم دیے ہیں، اس کا قلع قمع کیا جاسکے، نیز یہ تحریک اسلام کی صاف ستھری تاریخ پیش کرنے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی، فی الواقع مستشرقین اور ان کے چالاک تلامذہ نے اسلامی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے اور یوں اسلام اور مسلمانوں کو پوری دنیا میں بدنام کرنے کے لیے تاریخ نویسی کو اپنا آلہ بنایا ہے، لیکن اس تحریک کو اس سلسلہ میں بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں، چنانچہ بعض غیر مسلم قائدین اور دانشوروں نے اس حقیقت کا برملا اظہار کیا کہ اس تحریک سے پہلے یہ لوگ اس سے بالکل ناواقف تھے کہ مسلمانوں کے دل بھی انسانیت اور وطن کا درد و محبت رکھتے ہیں، ان کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ مسلمان صرف تیر وتبر اور شمشیر وخنجر کے رسیا ہیں۔

جب حضرت مولاناؒ نے مشاہدہ کیا کہ اجتماعی حالات تیزی سے بگڑرہے ہیں، ملک اخلاقی انارکی، بلکہ قومی واجتماعی خودکشی کی طرف جارہا ہے، اخلاقی قدریں بیدردی سے پامال کی جارہی ہیں، خودغرضی بلکہ خودپرستی کا جنون سب پر سوار ہے، انسان کی جان ومال، عزت وآبرو کا احترام تیزی سے رخصت ہورہا ہے، تو اس خطرناک صورت حال کے مقابلہ کے لیے مولاناؒ کمربستہ ہوگئے، اور اجتماعی اصلاح کے لیے پیام انسانیت تحریک شروع کردی، مولانا کا خیال تھا کہ انسانی معاشرہ ایک کشتی کے مانند ہے، جب یہ کشتی ڈوبے گی تو اس میں سوار تمام مسلم اور غیر مسلم ڈوبیں گے۔

۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کیا، دانشوروں اور مختلف طبقات کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور مشترک عوامی اجتماعات میں مؤثر تقریریں کیں، ۲۹/ دسمبر ۱۹۸۸ء میں حیدرآباد میں ''پیام انسانیت'' کے عنوان سے منعقدہ ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولاناؒ نے فرمایا:

''ہر انسان کے لیے دو گھر ہیں، ایک تو وہ گھر جس میں وہ اور اس کے خاندان کے افراد مقیم ہیں، اور ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے اس کا یہ گھر ہر اعتبار سے مامون ومحفوظ ہو کہ پورے امن وسلامتی کے ساتھ اس میں رہ سکے، اور یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے گھر میں محبت وبھائی چارہ، امن واطمینان اور باہمی اعتماد واحترام کی فضا بنی رہے، یہ وہ چھوٹا سا گھر ہے جو اس کی پناہ گاہ ہے اور اس کی سلامتی اس میں رہنے والوں کی فطری ضرورت ہے۔

پہلے گھر کی طرح ہر فرد کا یہاں دوسرا گھر بھی ہے، جو پہلے گھر سے بڑا ہے، یہ دوسرا اور بڑا گھر وہ ملک ہے جس کا وہ باشندہ ہے، ہم اکثر اوقات میں اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ دونوں گھر ہمارے ہی ہیں، ایک تو چھوٹا گھر، چاہے وہ کتنا ہی بڑا اور وسیع ہو رقبہ زمین پر قائم ہو، لیکن وہ اس ملک کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہے، جس میں لاتعداد گھرانے اور خاندان رہتے ہیں، اسی طرح ہر چھوٹے گھر کا مفاد بڑے گھر کے مفاد سے وابستہ ہے، لہٰذا جب بڑے گھر کا نظام بگڑے گا تو چھوٹے گھر کا بھی سکون غارت ہوجائے گا''۔

[کاروان زندگی: ج۳/ص۵۵]

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا:

''کسی بھی معاشرہ کا بگاڑ اور اخلاقی اصول سے نظر اندازی، حرص وطمع، مال کی بڑھی ہوئی محبت، ظلم و زیادتی، ناجائز قبضہ اور برائیوں کا اثر اس میں ملوث

افراد ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرہ میں پھیل جاتے ہیں، اور ہر وہ معاشرہ جوان جرائم پیشہ افراد کو نظر انداز کرتا ہے وہ خودان جرائم میں مبتلا ہوجاتا ہے،ہمیں تاریخ میں بہت سی ایسی تہذیبیں اور ثقافتیں نظر آتی ہیں، جو عرصہ دراز تک ترقی کے بام عروج پر متمکن تھیں، لیکن جب اس میں اخلاقی انتشار عام ہوا،حرص و ہوس اور مال کی بڑھی ہوئی محبت نے غلبہ پایا،انسانی ناموس وعزت کو پامال کیا جانے لگا اور لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں لگ گئے، دین ومذہب کی تعلیمات اور اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈال دیا گیا، اوران کی تحقیر و تضحیک کا معاملہ شروع ہوگیا،تو یہ ترقی یافتہ تہذیبیں برباد اور نیست ونابود ہوگئیں، مثلاً روم ٹھیک اس وقت اپنی برائیوں کی آگ میں جل رہا تھا، جب وہاں کے فلاسفہ،ادباء وشعراء اپنی بحث ونظر، تحقیق و تخلیق میں ہمہ تن مصروف ومنہمک تھے،اورنئی نئی تحقیقات،انکشافات وایجادات اور علمی کارناموں کا انبار لگا کر معاشرہ کو مسحور ومبہوت کررہے تھے،لیکن چونکہ اندر سے معاشرہ کو گھن لگ چکا تھا،بگاڑ اور فساد گھروں سے نکل کر بازاروں اور سڑکوں تک پھیل چکا تھا، چھوٹے بڑے ہر طرح کے گھرانے اس میں ملوث تھے،مختلف طبقات آپس میں برسرِ پیکار تھے، ہر شخص بربادی، ظلم وزیادتی کے دہانہ پر کھڑا تھا،انہی وجوہات کی بنا پر جب آتشیں آندھی چلی تو اپنی فتوحات، تعمیرات، تہذیب اور معیار معیشت میں غیر معمولی ترقی کے باوجود (جوضرب المثل کی حد تک پہونچ گئی تھی) رومن امپائر اس سے بچ نہ سکا اور نہ اس کا دفاع ہی کرسکا''۔

[کاروان زندگی: ج۴/ص۵۷]

حضرت مولاناؒ نے ایک دوسرے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''آج ضرورت اس بات کی ہے کہ شخصی و سیاسی مفادات ومقاصد اور قومی عصبیت سے بلند ہوکر انسانی دنیا کے سامنے وہ بلند حقائق اور انسانی قدریں پیش کی جائیں جو انسان کی نجات اور پرامن زندگی کے لیے ضروری ہیں، اور یہی وہ حقائق ہیں کہ اگر ان کو نظر انداز کیا گیا تو ہماری تہذیب اور ہمارا سماج زبردست خطرات سے دوچار ہوجائے گا اور انسانیت سخت ترین ٹکراؤ کا شکار ہوجائے گی، انبیائے کرام نے اپنے اپنے زمانہ میں انہی حقائق کی دعوت دی اور ان کی اشاعت وحفاظت میں جان کی قربانیاں پیش کیں، اور آج بھی یہ حقائق انسان کے لیے نفع بخش ہیں، اور ان کی تاثیر واہمیت باقی ہے، اور یہی حقائق انسان کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرسکتے ہیں، لیکن مادی اور دنیا پرست تحریکوں، تنظیموں اور قومی رجحانات نے نگاہوں پر موٹے موٹے پردے ڈال دیے ہیں، لیکن ضمیر انسانی اس سب کے باوجود آج بھی زندہ ہے، اور انسان کا دل ودماغ جامد نہیں، متحرک ہے، لہٰذا اگر یہ حقائق اخلاص و محبت، اپنائیت ودردمندی، ناصحانہ اور عام فہم انداز میں پیش کیے جائیں تو انسانی ضمیر ان کو قبول کریں گے، اس لیے کہ انسان جانتا ہے کہ یہ دعوت اس کے زخموں کے لیے مرہم ہے''۔

یہ حقیقت ہے کہ اس تحریک نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے اوران کے مابین قربت پیدا کرنے کا اپنا مقصد اصلی پورا کرلیا اور ایک ہی پلیٹ فارم پر ان کے مخالف و معاند جمع ہوئے اور ان لوگوں نے حضرت مولاناؒ کی گفتگو، تقریر اور تحریر سننے اور پڑھنے کے بعد اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ تحریک واقعۃً اس زمانہ کی ضرورت وپکار ہے، نیز مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کا تصور تبدیل ہوا، اور مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں ان کے موقف ورویہ میں تبدیلی بھی آئی، بلکہ بعض لوگوں نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور مسلمانوں کی حمایت اور مدافعت کرنے والے بن گئے، نیز یہ لوگ فرقہ وارانہ فسادات کے علاقوں کا دورہ کرنے اور ریلیف اور ہنگامی امداد کے کاموں میں شریک وپیش پیش رہے۔

یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ تحریک ''پیام انسانیت'' کے اجتماعات بعض جگہوں پر فتنوں کی سرکوبی اور مسلمانوں کے خلاف پائی جانے والی عصبیتوں کی بیخ کنی میں بڑے مدد ومعاون ثابت ہوئے ہیں۔

مسلم سماج کی اصلاح کا طریقۂ کار

حضرت مولاناؒ نے مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے اور اسلام مخالف عادات واطوار سے اس کو پاک کرنے کے لیے اصلاح معاشرہ تحریک شرع کی، جس کا پہلا اجتماع ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا، پھر متعدد شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں، اوراس طرح اس تحریک نے پورے ملک میں ایک زبردست مشن کی شکل اختیار کرلی، معاشرہ پر اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے، اس تحریک کا مقصد استحصال، شادی وغیرہ میں فضول خرچی، اسراف، جہیز کی لعنت، خاندان یا طبقہ یا معاش کی بنیاد پر تفریق کو ختم کرنا تھا، اس تحریک کے پیچھے مولانا کا یہ تصور کارفرما تھا کہ ہر انسان کے دو گھر ہیں، ایک چھوٹا گھر اور دوسرا بڑا گھر، اور اصلاح کا

عمل اسی وقت انجام پاسکتا ہے جبکہ چھوٹے اور بڑے دونوں گھر کی اصلاح ہوجائے۔

افہام وتفہیم اور پُر امن گفتگو کی تلقین

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے سامنے اپنی تقریر، تحریر اور گفتگو کے دوران اس بات پر زور دیتے رہے کہ مسلمانان ہند اپنے وطن کی تعمیر وترقی کے کاموں میں بھر پور حصہ لیں، اور اپنی سوسائٹی سے پسماندگی اور پستی، کشمکش ومعرکہ آرائی اور جہالت ونادانی کے اسباب وعوامل کا خاتمہ کریں اور مسلمانان ہند کی مساعی جمیلہ اس ملک کے لیے باعث خیر وبرکت ثابت ہوں، احتجاج، مظاہرے، دھرنے اور تشدد سے باز رہیں، شاہ بانو کیس، بابری مسجد اور یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں مولاناؒ نے مسلمانوں کو قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے اقدامات کرنے کا مشورہ دیا، مسائل کو باہمی افہام وتفہیم اور پرامن گفتگو کے ذریعہ حل کرنے پر زور دیا اور احتجاج اور تشدد سے باز رہنے کی تلقین کی، ان کی تقریر کا مرکزی موضوع قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ "یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوْا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَاناً" ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرقان کی یہ تشریح فرماتے کہ مسلمانوں کی زندگی، غیروں کے مقابلہ میں زندگی کے تمام شعبہ جات میں ممتاز ونمایاں ہو، اور صدق وصفا، امانت ودیانت، اخلاص وللّٰہیت، جد و جہد، ہمدردی وغمخواری، مساوات وبرابری اور ایثار وقربانی سے متصف رہے تاکہ مسلمانانِ ہند ان صفات وامتیازات کی بدولت، برادرانِ وطن کی محبت والفت اور اعتماد کے حق دار بن سکیں، وہ ان کو باعث برکت سمجھیں، اس ملک کے لیے ان کو وبال اور مصیبت نہ تصور کریں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی ملی فکر مندی

ان اصلاحی ودعوتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مولاناؒ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے لیے فکرمند رہتے تھے، تخریبی رجحانات ونظریات، قومیت، نسلی تفریق، کمزوروں پر ظلم وزیادتی، انسان کا استحصال، تہذیبی چیلنجز اور دیگر خطرات سے ملت کو آگاہ کرتے رہتے تھے، جب بھی کہیں کوئی خطرہ محسوس ہوتا اس کی نشان دہی کرتے، اس کے خلاف آواز بلند کرتے، قومیت عربیہ جس نے ایک عقیدہ ومذہب کی شکل اختیار کرلی تھی، اور اشتراکیت جو ارتداد اور الحاد پھیلا رہی تھی، کا جم کر مقابلہ کیا، مسلم حکام اور بادشاہوں کو اس خطرہ کی طرف متوجہ کیا اور حکیمانہ وناصحانہ انداز میں اسلامی تشخص، اسلامی تمدن اور اسلامی تہذیب کی حفاظت کی دعوت دی، اور جب جب مولاناؒ کو مسلم حکمرانوں اور قائدین سے ملاقات کا موقع ملتا انہیں اسلامی ممالک کو فکری ارتداد اور دوسری تہذیب میں ضم ہونے سے بچانے کی تلقین کرتے، نئی نسل کی دینی تربیت پر زور دیتے اور اسلامی ممالک کی ترقی کے لیے مادی وسائل سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دیتے۔

ان عظیم دعوتی، اصلاحی اور فکری کوششوں کے لحاظ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ عظیم اسلامی وانسانی داعی، عظیم مفکر، علمی ودعوتی جہاد میں سرگرداں ومنہمک، ملک وملت کو خطرات سے آگاہ کرنے اور صحیح راہِ عمل بتانے والے عظیم دانشور تھے، دعوت فکر وعمل میں دوسرے داعیوں، عالموں اور مفکروں سے ممتاز ومنفرد تھے، اپنے اسلاف کے بہترین جانشین اور ان کی خصوصیات ومیراث کے امین ووارث تھے، حضرت مولاناؒ قرآنی انسان تھے، اس لیے مولانا کا منہج دعوت قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تھی: "اُدْعُ إِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُم بِالَّتِیْ ھِیَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّکَ ھُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِیْلِهِ وَھُوَ أَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ" (اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہیے اور اچھے طریقہ پر ان سے بحث کیجیے، بلاشبہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور وہ صحیح راستہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے)[سورہ نحل:۱۲۵]۔

☆☆☆☆☆

نفس کو بے لگام نہ ہونے دیجیے!

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

لازم ہے کہ ہر خواہشِ نفس پر حاکم طبیعت کو نہیں، عقل کو رکھئے اور عقل کی حاکمیت کا نفاذ بڑی سختی سے کرتے رہیے، ہیجانِ نفس کے وقت (عام اس سے کہ وہ ہیجان غصہ کا ہو، حب جاہ کا ہو، حرص مال کا ہو، شہوت جنسی کا ہو) عقل تک اندھی اور مغلوب ہوجاتی ہے، ایسے موقع پر دست گیری شریعت سے پایئے، اور پناہ احکامِ خداوندی میں ڈھونڈھیے، نفس کو بے لگام کسی حال میں بھی نہ ہونے دیجیے، اس شورہ پشت گھوڑے سے آپ ذرا بھی غافل ہوئے اور اس نے آپ کو زمین پر دے پٹکا۔

☆☆☆

تاریخ ندوہ

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ اور علم حدیث

............مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ پر یہ عالمی سیمینار جو مورخہ ۸؍ دسمبر ۲۰۱۹ء کو "فروغ ادب رحمانی فاؤنڈریشن" کے زیر اہتمام مونگیر، بہار میں منعقد ہو رہا ہے، جس کی سرپرستی حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی زندہ یادگار مولانا محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کر رہے ہیں، ان کی ذات گرامی سے اس ناچیز کا قدیم قلبی تعلق اور قریبی رابطہ رہا ہے، مگر اس ناچیز کو اس میں شرکت کا دعوت نامہ بہت تاخیر سے ملا، ایسے وقت میں یہ ناچیز ایک اہم کتاب جو سیرت پر عربی میں ہے، تالیف کر رہا ہے، اختتام پر ہے، اس کی مشغولیت کے علاوہ دبئی اور ابوظبی کی دو عالمی کانفرنسوں میں شرکت کرنی ہے، نیز ری یونین میں بخاری شریف کے ختم کا سفر بھی تھا جسے مؤخر کیا گیا، ایسے حالات میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ گیر شخصیت جو اپنے دور میں اپنے صفات وکمالات اور کارناموں میں بے نظیر ہے ان پر لکھنے کے لیے وقت اور کتب خانے کی ضرورت ہے، یہ ناچیز اس وقت ہندوستان سے دور ابوظبی میں مقیم ہے، ان کی ہمہ گیر شخصیت پر ان شاءاللہ مختلف اہل علم کے مقالات آئیں گے، ان کے خاندانی حالات اور ان کے خاندان میں بزرگوں کا جو تسلسل رہا ہے، اس کا بھی ذکر آئے گا، حضرت مولانا کی پیدائش اور ان کی ابتدائی زندگی، علماء وفضلائے ربانیین سے ان کا استفادہ یہ ساری چیزیں ان شاءاللہ پیش کی جائیں گی، گرچہ ہمارے دوست اور رفیق درس مولانا محمد الحسنی مرحوم نے اس موضوع پر بہت جامع کتاب تصنیف کی ہے۔

حضرت مولانا جن خصوصیات اور کمالات کے حامل تھے اور اس دور میں اللہ تعالیٰ نے جوان سے عظیم الشان اسلام کے دفاع اور پاسبانی کا کام لیا، جس کی طرف مختلف مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات میں مفصل طور سے بیان کیا ہوگا۔

بیشک اسلام کی تاریخ میں ہمیں ملتا ہے کہ جس زمانے میں جیسے اشخاص کی دین کی خدمت کے لیے اور اس کے دفاع کے لیے ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے ایسی شخصیتوں کو پیدا فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ یہ دین تا قیامت باقی رہے گا:" لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم" [صحیح مسلم:۱۹۲۰] جب اسلام کو ضرورت تھی کہ قرآن پاک کو بین الدفتین جمع کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے قلب میں یہ بات ڈالی، ان کے اصرار پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور صحابہ کرامؓ کو اس پر انشراح ہو گیا اور یہ کام اپنے وقت پر انجام پایا، ورنہ آئندہ چل کر فتنے پیدا ہو سکتے تھے، اسی طرح سے جب ضرورت تھی کہ تدوین حدیث کا کام حکومتی پیمانے پر عمل میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ متوفی ۱۰۱ھ کے قلب میں یہ بات ڈالی اور حکومتی سطح پر تدوین حدیث کا کام انجام پایا، اسی طرح پوری تاریخ اسلامی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی اسلام کو جیسی شخصیتوں کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ ویسے افراد پیدا کرتا رہا۔

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ متوفی ۱۰۳۴ھ اور ان کے صاحبزادگان اور خلفاء، اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ اور ان کے صاحبزادگان اور خلفاء جن کا سلسلہ قائم ودائم ہے، ان بزرگوں نے اپنے زمانے کے فتنوں کا مقابلہ کیا اور اپنے شاگردوں اور سلسلے کے علماء کی بڑی تعداد یادگار چھوڑی، انگریزوں کی عملداری کے بعد جو علماء میدان میں آئے اور انہوں نے اسلام کی حفاظت اور پاسبانی کی خدمت انجام دی، ان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ اور یہ پوری جماعت نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے بعد اس پوری جماعت کو ہندوستان کا مجدد کہا جائے گا اور مشہور حدیث جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها" [سنن ابی داود:۴۲۹۱] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایسے مجدد پیدا کرتا رہے گا جو دین کو ہر فتنے سے بچانے کی کوشش کرتے رہیں گے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا:"من" سے پوری جماعت مراد ہو سکتی ہے اور "مائة سنة" سے مراد تخمین ہے تعیین نہیں، اس لیے اس پوری جماعت میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسلام کے مختلف محاذ میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کو اُس دور

کے مجددین میں شمار کیا جائے گا۔

حضرت مولانا کی بچپن ہی سے خاص روحانی ماحول میں تربیت ہوئی تھی، چنانچہ تعلیم کے مراحل طے کرتے ہوئے درسیات سے فارغ ہونے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ: ''مجھے جس قدر فلسفہ سے نفرت تھی اسی قدر حدیث کی طرف رغبت تھی، جب قال قال رسول اللہ کی آواز کانوں میں گونجتی تھی تو عجب لطف آتا تھا''، چنانچہ حضرت مولانا نے حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ جو استاذ الکل تھے، ہندوستان کے مشہور اساتذہ میں ان کا شمار ہے، ان کی پیدائش ۱۲۴۴ھ میں علی گڑھ کے قریبی گاؤں میں ہوئی، وہاں سے سفر کرکے مفتی عنایت احمد کاکوروی اور دیگر علماء سے استفادہ کیا، حدیث شریف قاری عبد الرحمٰن پانی پتی سے پڑھی اور عرصۂ دراز تک مدرسہ فیض عام میں مدرس رہے، ان کے درس کی شہرت سے ہندوستان حتی کہ خارج ہندوستان خراسان تک کے طلبہ ان سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے، ان کے شاگردوں کی تعداد بہت بڑی ہے، ۱۳۳۴ھ میں انتقال ہوا، اور ۹۰ ر سال عمر پائی، [نزہۃ الخواطر: ج ۸ ر ص ۱۳۳۵] ان سے حضرت مولانا نے درسیات کی کتابیں پڑھنے کے بعد صحاح ستہ کو سبقاً سبقاً پڑھا تھا، اس کے بعد جب حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے ملاقات وزیارت کی خواہش ورغبت پیدا ہوئی اور ان کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت وصحبت سے سرفراز ہوئے، اس کے بعد حدیث شریف سے اشتغال اور استفادہ کا شوق اور زیادہ پیدا ہوا، اس لیے کہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ سے ایک پارہ بخاری شریف اور حدیث مسلسل بالاولیۃ اور حدیث المحبۃ پڑھ کر واپس آگئے تھے اور بعد میں جاکر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی نواسہ سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث سے صحاح ستہ کی تکمیل کی۔

نیز حضرت مولانا نے مولانا آل محمد محدث پھلواری متوفی ۱۲۹۶ھ جو نوجوانی ہی میں مدینہ منورہ ہجرت کرگئے تھے، حدیث وفقہ کی تحصیل شیخ محمد بن یحیی الجبطی سے کی، شیخ محمد اکرم لاہوری سے حصن حصین کی خاص اجازت حاصل ہے، مولانا نے بہت سے ممالک کی سیاحت کی، سمرقند، بخارا، کابل، غزنی، کشمیر اور پنجاب کا بار بار سفر کیا، اجلۂ علماء نے ان سے علم حدیث میں استفادہ کیا، ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی اور بقیع میں آسودۂ خواب ہوئے، [نزہۃ الخواطر: ج ۷ ر ص ۲] مولانا رحمانی نے اپنے مقالہ متعلقہ سوانح میں لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث شریف شیخ احمد سندھی محدث سے پڑھی اور شیخ محمد یحیی کے علاوہ شیخ عبد الجلیل بن عبد السلام برادر علامہ سید احمد زینبی اور شیخ ارتضی گوپامئوی مہاجر سے کامل تین سال تک درس لیا اور سندو اجازت حاصل کی، انہوں نے مولانا کا سنہ وفات ۱۲۹۵ھ لکھا ہے، جب وہ کانپور تشریف لائے، ۲ ر مہینے مسلسل آپ کے مہمان رہے تو حضرت مولانا نے ان سے بھی بخاری شریف کا کچھ حصہ سنا اور انہوں نے بلا طلب بڑی مسرت کے ساتھ آپ کو حدیث شریف کی سند عطا فرمائی۔

حدیث شریف کی تکمیل

جیسا کہ ذکر کیا ہے کہ حضرت مولاناؒ نے اپنے شیخ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے اہتمام کے ساتھ درس حدیث لیا تھا، ان کی صحبت نے اور زیادہ مولانا کے قلب میں حدیث شریف کے فن میں کمال پیدا کرنے کا شوق پیدا کردیا، ان کو اپنے اس موضوع میں تشنگی پیدا ہوتی رہی، اس دور کے مشہور عالم محدث حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری متوفی ۱۲۹۷ھ جن کا درس ایک امتیازی شان رکھتا تھا، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے مختلف علماء سے پڑھنے اور استفادہ کے بعد حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ کے خاص شاگردوں میں ہیں، انہوں نے ۲ ر سال جاکر مکہ مکرمہ میں ان کی خدمت میں قیام کرکے صحاح ستہ اور دیگر حدیث کی کتابیں پڑھیں اور اپنے ساتھ قلمی کتابوں کا ایک ذخیرہ ہندوستان بھی لائے، جس میں خاص طور پر بخاری شریف کے ۱۰ ر نسخے تھے، اس کتاب کو سب سے پہلے دنیا میں تحقیق وتعلیق کے ساتھ دہلی سے ۱۲۶۷ھ میں شائع کرایا، اسی طرح جامع ترمذی کو بھی شائع کیا، اس کے ۱۳ ر سال بعد مصر میں قاہرہ سے بخاری شریف شائع ہوئی۔

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے شاگردوں میں بڑے بڑے علماء جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ وغیرہ داخل ہیں، ان سے حضرت مولانا نے جاکر ان کی خدمت میں ۱۱ ر مہینے قیام کرکے صحاح ستہ اور موطین پڑھی، حضرت سہارن پوری مولانا مونگیریؒ کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی نگاہ بصیرت نے یہ معلوم کرلیا تھا کہ مولانا کے اندر کیا جواہرات پوشیدہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کا بھی حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے بہت گہرا تعلق

تھا، یہ سارے حالات دیکھنے کے بعد اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کا علم حدیث میں کیا مقام رہا ہوگا، اور پھر حدیث شریف سے فراغت کے بعد حضرت مولانا کے قلب میں حب رسول کا جو جذبہ موجزن تھا اور ان کے شیخ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی تدریس حدیث کے جو حالات ہیں کہ روزانہ ان کی مجلس میں بخاری شریف یا مسلم شریف کا درس ہوا کرتا تھا۔

اس وقت حضرت مولانا کا یہ حال تھا:

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

حضرت مولانا محمد علی مونگیری فرماتے ہیں: صبح بخاری کا سبق ہورہا تھا، اس میں وہ حدیث آئی کہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین کو تلاش کیا کرتے تھے، تاکہ ان کی برکت سے دشمن پر فتح یابی چاہیں، اس وقت حضرت نے یہ شعر پڑھا:

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

جب حضرت مولانا کے شیخ ومرشد کا یہ حال و رنگ ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ خصوصیات حضرت مولانا محمد علی مونگیری میں منتقل ہوئیں جس پر ان کی زندگی شاہد عدل ہے، ان کی حدیث کے درس و تدریس اور اس فن میں جو رسوخ ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

حضرت مولانا نے کان پور کے مدرسہ فیض عام میں درس حدیث دینا شروع کیا تھا، اور ڈھائی یا ۳؍سال تک درس دیا، درس کے زمانے میں دن رات کا بیشتر حصہ درس حدیث، ذکر وشغل ومراقبہ میں گذرتا، طلبہ کے اصرار کا یہ عالم تھا کہ حوائج ضروریہ اور نماز وغیرہ کے علاوہ فجر سے لے کر عشاء تک سارا وقت درس حدیث ہی میں صرف ہوتا، اس کے بعد بھی طلبہ کا ہجوم اور شوق میں برابر اضافہ ہوتا رہا، افسوس کہ اس زمانے کے شاگردوں کے اسماء اور حالات معلوم نہیں ہوسکے، اس کے علاوہ حضرت مولانا سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا تجمل حسین بہاری جو حضرت مولانا گنج مرادآبادی کے خلیفہ وخادم خاص ہیں، نیز وہ مولانا مونگیری کے خاص شاگردوں میں ہیں، ان کے علاوہ کئی علماء نے فائدہ اٹھایا جن میں علامہ شوق نیموی، مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے محدثین بھی شامل ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سب حضرات نے ان سے پڑھا ہوگا اور فائدہ اٹھایا ہوگا، امید ہے کہ کسی عالم کو اللہ تعالیٰ توفیق دے گا وہ اس موضوع پر مکمل ومحققانہ مقالہ پیش کرے، نیز اس کے علاوہ مولانا کا علمی ذوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے اپنی خانقاہ میں اتنا عظیم الشان کتب خانہ تیار کرایا کہ وہ بھی اپنی انفرادی شان رکھتا تھا، یہ سب اس بات کی دلیل ہے جس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کا علم حدیث میں کتنا بلند مقام ہوگا۔

چونکہ میں اس وقت ہندوستان سے دور ہوں اور میرے پاس مصادر ومراجع مفقود ہیں ورنہ میں اس موضوع پر تلاش کرتا شاید مزید معلومات حاصل ہوتیں، میں اہل علم کی توجہ اس جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ کوئی فاضل اس کو اپنا موضوع بحث بنائے وہ اہل علم کی طرف سے خاص شکریہ کا حق دار ہوگا اور بڑی خدمت انجام پائے گی۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ مولانا رفیع الدین ندوی مدرس شعبۂ مکاتب ندوۃ العلماء کی اہلیہ محترمہ کا مختصر علالت کے بعد ۲۴؍اکتوبر ۲۰۱۹ء تقریباً چار بجے انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کا چھوٹا لڑکا محمد حماد بخار کے مرض میں ہسپتال میں زیر علاج تھا، کئی روز کے بعد وہ تو صحتیاب ہوگیا، مگر اس دوران اس کی والدہ پر ڈینگو بخار کا حملہ ہوگیا، کئی روز علاج جاری رہا، بالآخروہ اپنے مالک حقیقی سے جاملیں، اور اپنے پیچھے شوہر کے علاوہ تین بیٹے اور تین بیٹیوں کو سوگوار چھوڑ گئیں۔ مرحومہ کی ایک بیٹی عالمہ ہوگئی ہے، اور ایک بیٹا اس سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت کی تکمیل کرنے والا ہے، باقی بچے بھی زیر تعلیم ہیں۔

☆ ندوہ سے خاص تعلق رکھنے والے جناب محمد خالد کی اہلیہ محترمہ کا بھی طویل علالت کے بعد بروز جمعہ ۲۳؍اگست ۲۰۱۹ء کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ معروف ادیب ڈاکٹر سعادت علی صدیقی مرحوم کی صاحبزادی تھیں، پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، تدفین بعد نماز عصر عیش باغ قبرستان میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔

قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

یاد رفتگاں

یادوں کے چراغ

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ایک جائزہ

عہدنبویؐ-اعتدال وتوازن کا اعلیٰ نمونہ

● ....ڈاکٹر نثار احمد

امت مسلمہ کی شناخت اور اس کی پہچان جہاں اس کے اللہ کے پیغام کے علم بردار ہونے کی حیثیت سے ہے، وہیں اس کا دوسرا اور لازمی وصف قرآن نے "أمة وسطاً" کے زریں الفاظ میں واضح کیا ہے:"قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ، يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً". [البقرۃ :۲/۱۴۲،۱۴۳](اے نبیؐ! ان سے کہو، مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھادیتا ہے، اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک 'امت وسط' بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو)۔

واضح رہے امت وسط سے مراد ایک ایسی قوم اور انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر عدل وانصاف اور توسط اور میانہ روی پر قائم ہو، اور جس کا تعلق سب انسانوں کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور کسی سے بھی ناحق اور نادار تعلق نہ ہو، اس کے برعکس انتہا پسندی وہ روش ہے جو راہ وسط کی ضد ہے۔

انتہا پسندی کے الفاظ بجائے خود شدت وحدت کو ظاہر کرتے ہیں، انتہا کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کی آخری حد یا کنارہ، کسی دائرے کا آخری گھیراؤ، کسی صفحے کی آخری لکیر، کسی وسعت کا احاطۂ کلی، خاتمہ، روک یا آخری سرا، جو اسے کسی دوسری حد اور انتہا سے ممتاز و ممیّز کردے، حد وانتہا مادی شکل کی بھی ہوسکتی ہے اور معنوی بھی، نیز حد و انتہا کے واقعتاً دو رخ ہوسکتے ہیں، ایک کم سے کم یا نیچے کی حد یا آخری لکیر سے گر جانا، اور ایک حد و نہایت یا غایت وانتہا اوپر کی طرف، حد سے اوپر گزر جانا، دائرے سے باہر نکل جانا، گویا انتہا پسندی کا اصولاً اطلاق زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم دونوں صورتوں پر ہوسکتا ہے یعنی افراط اور تفریط دونوں شکلوں میں، ان دونوں انتہاؤں (کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ) کے درمیان یا وسط (بیچ)، عدل وقسط اور اعتدال کی منزل ہے۔

روز مرہ گفتگو میں جب انتہا پسندی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس سے عرفاً اور عموماً حد اعلیٰ و بالا کی طرف ہی بڑھ جانے یا گزر جانے کا اشارہ ہوتا ہے یعنی سیاسی، معاشی، معاشرتی یا مذہبی کسی بھی معاملے میں حد سے آگے بڑھ جانا، حد سے آگے بڑھنے کا رجحان ومیلان جسے ہم انتہا پسندی کہتے ہیں، دراصل عدل و اعتدال کو خاطر میں نہ لانے اور وسط وقسط ترک کر دینے سے ہی پیدا ہوتا ہے، قرآن کریم میں اگرچہ 'انتہا پسندی' کا لفظ استعمال نہیں ہوا، تاہم انتہا پسندی کی نمائندگی اور اس کی کیفیت وکمیت کا اظہار دوسرے کئی الفاظ واصطلاحات سے بخوبی ہوجاتا ہے، چنانچہ حد اعتدال سے آگے بڑھ جانا یعنی انتہا پسندی دراصل حدود شکنی ہے، ظلم وزیادتی ہے اور اسی کو غلو کہا گیا ہے، یعنی مبالغہ کرنا، حد سے آگے بڑھنا، جب کہ یہی طغیان، اعتداء، افراط اور عدوان ہے، چنانچہ قرآن پاک میں یہ نمائندہ الفاظ واصطلاحات جہاں جہاں پائے جاتے ہیں ان کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ انتہا پسندی سے ظلم وزیادتی جنم لیتی ہے، جبر وجور بڑھتا ہے، تشدد وتغلب پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں قتل وغارت گری، فتنہ وفساد پورے معاشرے میں پھیل جاتا ہے جس کا مشاہدہ ہم آج خود اپنے ملک میں آئے دن کرتے رہتے ہیں۔

انتہا پسندی کا میلان ورجحان یا رویہ خواہ دینی، دنیوی کسی معاملے میں ہو یا انسانی زندگی کے کسی بھی شعبے میں پایا جائے، بہر حال عقل ونقل کسی اعتبار سے پسندیدہ نہیں، بلکہ قابل مذمت اور انتہائی خطرناک ہے اور مختلف درجات میں مہلک نتائج کو جنم دیتا ہے، انتہا پسندانہ رویہ بنیادی طور پر بے اعتدالی اور بے راہ روی کا نتیجہ ہوتا ہے، تاہم اور دوسرے بہت سے اسباب کا بھی اس میں عمل دخل ہوتا ہے، مثلاً بعض لوگ طبعاً انتہا پسندانہ طبیعت لے کر پیدا ہوتے ہیں اور انتہا پسندی ان کی سرشت میں ہوتی ہے، جیسا کہ سورۂ علق [آیت/۶] میں فرمایا گیا:"كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى" (بے شک انسان حد سے نکل جاتا ہے)۔

انتہا پسندی کی ایک وجہ لاعلمی، ناواقفیت اور جہالت ہے، حدود وقیود سے ناواقفیت بجائے خود حدوں کی پامالی اور ان سے تجاوز کا باعث بنتی ہے اور جہالت میں اکھڑپن، ناشائستگی، عدم برداشت تشدد اور تغلب سب چیزیں داخل ہیں جو بالآخر انتہا پسندی پر منتج ہوتی ہیں، علم، طاقت، عزت، دولت، علم، عقل وغیرہ اگرچہ عطیۂ خداوندی ہیں

لیکن اکثر اوقات آدمی اس زعم باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ اس کے کسب و محنت کا نتیجہ اور ملکیت ذاتی ہے، پھر فخر، غرور، گھمنڈ میں آکر "أنـــا ولا غـيـری" کا خبط اس پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ انتہا پسندی کی انتہا پر پہنچ کر "أنَــا رَبُّــكُــمُ الأعْلىٰ" [النازعات: ۷۹/۲۴] (میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر) کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے، یہی فرعونیت ہے، قرآن میں مختلف حوالوں سے فرعون کا تقریباً ۷۴ مرتبہ ذکر آیا ہے لیکن اس کی فرد جرم میں مرکزی شق ہے: "اِنَّــــهُ طَــغَــى" [طٰہٰ: ۲۰/۲۴، ۴۳، النازعات: ۷۹/۱۷] کہ وہ حد سے بہت بڑھ گیا تھا، انتہا کی انتہا کو پہنچ گیا تھا جس کی مزید تشریح یہ کی گئی کہ: "وَاِنَّ فِـرْعَـوْنَ لَـعَالٍ فِيْ الْاَرْضِ، وَاِنَّــهُ لَـمِـنَ الْـمُسْـرِفِيْـنَ" [یونس: ۱۰/۸۳] (اور فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور (کبر و کفر میں) حد سے بڑھا ہوا تھا)، اور فرمایا گیا: "اِنَّ فِـرْعَـوْنَ عَلاَ فِي الْاَرْضِ" [القصص: ۲۸/۴] (بے شک فرعون نے بہت سر اٹھا رکھا تھا)، اس انتہا پسندی کے نتیجے میں اسے نشان عبرت بنا دیا گیا۔ [النازعات: ۷۹/۲۶]

انتہا پسندی کے فروغ و افزائش میں بعض اوقات ذاتی غرض و منفعت، حب جاہ و مال و منصب بھی کارفرما حیثیت اختیار کر لیتی ہے، چنانچہ وسائل و ذرائع میں جائز و ناجائز، حق و باطل، صحیح غلط کا امتیاز بے معنی ہو جاتا ہے، پھر ضد، ہٹ دھرمی، انتقام، انانیت، انتہا پسندی کی راہوں کو پر پیچ بنا کر انسانیت کو تباہی و ہلاکت سے دوچار کر دیتی ہیں، اس پہلو سے انتہا پسندی اور دہشت گردی میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا کیونکہ دونوں کا بظاہر نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے، لہٰذا انسانیت، شرافت اور معاشرت باہمی کی خیر اسی میں ہے کہ ان اسباب و محرکات کا بھی قلع قمع کیا جائے جو انتہا پسندی کی راہ ہموار کرتے ہیں، تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کو شرف انسانیت کا اعزاز، شرافت، تہذیب کی خیرات اور تحسین معاشرت کی سوغات صرف اس وقت نصیب ہوئی، جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔

آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے، عرب کے جاہلی معاشرے میں جس وقت رسولؐ رحمت کی بعثت مبارکہ ہوئی تو احوال و کیفیات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ اس معاشرے کی نمایاں ترین خصوصیت انتہا پسندی تھی، جس طرح انسانی زندگی کے ہزار رنگ ہیں، انتہا پسندی کے انواع و اقسام بھی بے شمار ہیں، تاہم سب دائروں کا مرکز مذہبی انتہا پسندی میں مرتکز تھا، مذہبی انتہا پسندی کا سب سے بڑا مظہر شرک و بت پرستی تھا اور شرک و بت پرستی کا محور و مرکز اس گھر کو بنا دیا گیا تھا جو اصلاً اللہ کا گھر، خدا پرستی کا مرکز اور نشر گاہ توحید تھا، توحید اللہ کی وحدانیت و یکتائی ہے، بے مثل، بے عیب وحدہ لاشریک وہی ہے، یکتا و تنہا ذات، مالک الملک، ذوالجلال والاکرام وہی ہے، تصور حقانیت اور حقیقت میں عدل و قسط کی نمائندہ توحید ہے، جب کہ شرک ایک سے زیادہ بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں خداؤں کا یقین خلاف حقیقت بھی ہے اور ذہنی، تصوراتی اور انتہا پسندی بھی ہے، نیز جہالت و ظلم کی نمائندہ ہے: "اِنَّ الشِّـرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ". [لقمان: ۳۱/۱۳]

عرب جاہلیت میں انتہا پسندی اگرچہ ذہنی و عملی ہزار شکلوں میں موجود تھی لیکن اس کا سب سے بڑا مظہر مذہبی انتہا پسندی کی صورت میں نمایاں تھا، چنانچہ حضور نبی کریمؐ کا اپنے مخاطبین، یعنی مشرکین مکہ سے ایک یہی تو مطالبہ تھا کہ وہ صرف ایک کلمہ (توحید/اسلام) کا اقرار کر لیں، تو عرب و عجم کی بادشاہی ان کے قدموں میں ہوگی، یہ ایک کلمہ توحید یا کلمہ اسلام ان کی انتہا پسندانہ مشرکانہ زندگی پر خط تنسیخ پھیر رہا تھا، وہ بلبلا اٹھے، وہ کلمہ، اس کی دعوت، اس کے اثرات، اس کے تقاضے، ان کے مذہبی شب و روز، ان کی معاشرتی زندگی، ان کے معاشی فوائد، ان کی بداخلاقیاں، سب کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہو رہے تھے، شرک بقول قرآن ظلم ہے، اس لیے مشرکوں، ظالموں نے انفرادی طور پر موحد اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جس سے خود ذات رسالت مآب بھی مستثنیٰ نہ تھی، پھر اجتماعی طور پر انتہا پسندی کا مظاہرہ چھ سال بعد ہی مشرکین مکہ یعنی قریش نے اس طرح کیا کہ نہ صرف حضورؐ بلکہ بنو مطلب سمیت پورے خاندان بنو ہاشم کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کر دیا، اس ظالمانہ سلوک اور اجتماعی انتہا پسندی کا سلسلہ تین سال تک برابر جاری رہا، ایسے ظالمانہ سلوک اور انتہا پسندی کی اس سے پہلے عرب کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن جب کفار و مشرکین مکہ کی معاندانہ کوششوں اور ظالمانہ کارروائیوں کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی مساعی نے مدینہ میں بھی کامیابی حاصل کر لی تو کفار و مشرکین کی انتہا پسندی عروج پر پہنچ گئی، اور انھوں نے دار الندوہ کے ایک خصوصی اجلاس میں آقائے رسالتؐ کے قتل کا منصوبہ بنا ڈالا، واقعہ یہ ہے کہ اگر آپؐ تقدیر و تدبیر الٰہی کے تحت شمشیر بردار مشرکوں کے محاصرے سے ہجرت کی رات بخیر و

عافیت نہ نکل جاتے تو انہی لمحات میں دہشت گردی کا ایک بہت بڑا واقعہ ظہور پذیر ہوجاتا۔

ہجرت نبویؐ کے بعد ریاست مدینہ قائم ہوجانے اور قوت وشوکت حاصل ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی انتہا پسندی کا جواب انتہا پسندی سے نہیں دیا، بلکہ وہ ایک محتاط، معتدل، ترقی یافتہ معاشرے کی داغ بیل ڈالی اور اس کا عملی نمونہ سب سے پہلے خود اس مدنی معاشرے کی ازسرنو تبدیلی سے فرمایا جہاں آپؐ نے قدم رنجہ فرمایا تھا اور جہاں انتہا پسندانہ مزاجی حالات نے اس خطے کے باشندوں کے لیے جہنم زار بنا دیا تھا، آپؐ کی آمد اور آپؐ کے مساعی جمیلہ سے مدینہ طیبہ، جنت نشان قرار جاں بن گیا، اس خوش گوار تبدیلی کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"وَ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَّکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا" [آل عمران:۳/۱۰۳] (اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب کہ تھے تم آپس میں دشمن، پھر الفت دی تمہارے دلوں میں، اب ہوگئے اس کے فضل سے بھائی بھائی، اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے، پھر تم کو اس سے نجات دی)۔

حضور نبی کریمؐ نے یثرب کی اس سرزمین کو (جہاں بدامنی، قتل و غارت گری، لاقانونیت کا دور دورہ تھا، جہاں کسی کی جان، مال، عزت وآبرو محفوظ نہ تھی، جہاں اوس وخزرج اور یہودی قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے، جہاں نراج کی حکمرانی تھی اور انتہا پسندی عام تھی) امن وامان کا گہوارہ بنا دیا، عدل واحسان کی حکمرانی سے متمتع کیا، ایک قانون اور ایک دستور کا پابند کیا، ہر قسم کی انتہا پسندی کو ممنوع ٹھہرایا، خون آشام قبائل کو شیر وشکر کیا، نراج کو راج سے بدلا، ایک مرکز عطا کیا، اخلاق، مروت، اخوت، اعتدال کی فضا قائم کی، پوری بستی کے حدود کو حرام قرار دیا، اور ایک شہر بے مایہ کو تاجدار مدینہ بنا کر مفتخر (فخر کرنے والا) کیا، اب جوامت تشکیل پائی وہ "امت وسط" قرار دی گئی: "وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا"۔ [البقرۃ:۲/۱۴۳] (اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط/امت معتدل بنا یا ہے)، امت معتدل، موضح القرآن کے مطابق: "وہ امت ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، عیسائیوں نے افراط اختیار کی کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور یہودیوں نے تفریط دکھائی کہ ان کی پیغمبری کو بھی نہ مانا، امت معتدل نے نہ ان کو حد سے بڑھایا نہ گھٹایا بلکہ ان کے درجے پر رکھا"۔ (حاشیہ جالندھری ص/۵۳)

حاشیۂ عثمانی کے مطابق: وسط، یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کبھی بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط وتفریط سے بالکل بری ہے"۔ [ص/۲۷] علامہ راغب الاصفہانی لکھتے ہیں: الوسط (بفتح السین) اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو دو مذموم اطراف کے درمیان واقع ہو، یعنی معتدل جو افراط وتفریط کے بالکل درمیان ہوتا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ معنی اعتدال کی مناسبت سے یہ لفظ عدل نصفۃ سواء کی طرح ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لیے بولا جاتا ہے، چنانچہ اس معنی میں امت مسلمہ کے متعلق فرمایا گیا: "وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا" [البقرۃ: ۲/۱۴۳] (راغب الاصفہانی ص/۹۷۴)۔

یہ کہنا گویا عین حقیقت ہے کہ امت مسلمہ یا مسلمانوں کا بحیثیت امت وسط دائرۂ حیات اعتدال وتوسط کے گرد ہی گھومتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرمائی میانہ روی کی ہے، تاکہ انفرادی واجتماعی زندگی کا ہر گوشہ توازن وہم آہنگی سے ہم کنار ہو اور کسی قسم کی بے اعتدالی، ناروا زیادتی، غلو اور انتہا پسندی سرزد نہ ہونے پائے، دین اسلام کی یہ ایسی بنیادی صفت ہے کہ حضور اکرمؐ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء ورسل بھی اس اہم مقصد کے لیے کوشاں رہے کہ عدل وقسط قائم ہو، اور کتب وصحائف کا نزول بھی اسی غرض سے ہوا کہ لوگ راستی ومیانہ روی کو اپنی زندگیوں میں جاری وساری کریں (ملاحظہ ہو سورۂ حدید: ۵۷/آیت ۲۵)۔

آپؐ کا لایا ہوا دین تو سرتا سر عدل وقسط، اعتدال واقتصاد (میانہ روی) کا آئینہ دار ہے، عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں اس کی کارفرمائی نہ ہو یا اسے نظر انداز کر دیا گیا ہو، درحقیقت اس دین فطرت میں ظاہر وباطن کا ہر جلوہ، اور فکر وعمل کا ہر ذرہ مبنی بر عدل ہے، اور جلوہ ہائے نبوت سے ہم آہنگ ہے، بروایت حضرت عبد اللہ بن سرجسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حسن سیرت (نیک چال چلن)، بردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے ۲۴واں حصہ ہے"۔ [ترمذی، مشکوٰۃ]

قرآن وحدیث میں مسئلہ زیر بحث کے دونوں پہلوؤں پر جگہ جگہ احکام وہدایات سے نوازا گیا ہے، اس پہلو سے بھی کہ عدل واعتدال، اقتصاد ومیانہ روی اختیار کی جائے جو اس بات کو مستلزم ہے کہ فکر وعمل کی ہر چیز اور نظام وانتظام کا ہر

عنصر اپنے اپنے دائرے میں ٹھیک ٹھیک کام کرے اور مطلوبہ مثبت نتائج پیدا کرے، دوسری طرف کسی معاملے میں حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، اعتداء، عدوان، طغیان وعصیان سے پرہیز کیا جائے کہ یہیں سے غلو، تجاوز بے جا اور انتہا پسندی کی مختلف جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو اپنی سنگینی میں دہشت گردی سے مماثل ہو جاتی ہیں۔

اسلام کا مزاج بہر حال اور بحیثیت مجموعی، قسط واعتدال سے ہی عبارت ہے کہ یہ تعمیر باطن بھی کرتا ہے اور ظاہر کو بھی درست رکھتا ہے، حکم ہے: "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" [المائدہ: ۸/۵] (عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے)۔ دل میں کھوٹ اور ناجائز خواہشات ہی بے راہ روی و بے اعتدالی کی پرورش کرتی ہیں، اسی لیے فرمایا گیا: "فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا" [النساء: ۴/۱۳۵] (لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو)۔ اللہ تو بہر صورت عدل کی ہی تلقین کرتا ہے: "ان سے کہو میرے رب نے تو راستی وانصاف کا حکم دیا ہے" [الاعراف: ۷/۲۹] اس لیے اہل ایمان کو اس کی تابعداری لازم ہے، کیونکہ اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے، ان سے محبت رکھتا ہے،: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ" [الحجرات: ۴۹/۹، المائدہ: ۵/۴۲، الممتحنہ: ۶/۸]۔ سورہ لقمان میں فرمایا گیا کہ: "وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ" [لقمٰن: ۳۱/۱۹] (چال میں میانہ روی اختیار کرو)۔

یہ میانہ روی زندگی کے ہر معاملے، ہر گوشے میں مطلوب ومحمود ہے، ارشاد رحمۃ للعالمین ہے: "حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش حالی میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے، ناداری میں اعتدال کی روش کیا ہی اچھی ہے، اور عبادات میں میانہ روی کیا ہی بہتر ہے" [مسند بزاز، کنز الاعمال]۔ یہ روش، یہ رویہ ہر لحاظ سے بہتر ثابت ہوتا ہے۔ یہ ارشاد رسالت مآب کیسا معنی خیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "دین آسان ہے، کوئی شخص دین سے زور آزمائی نہ کرے، کیونکہ یہ دین اس پر غالب آکر رہتا ہے، اس لیے سیدھے رہو، میانہ روی اختیار کرو، اور ہشاش بشاش رہو" [ایضاً ص/ ۶۶، ۶۷]۔ ایک اور حدیث قدسی میں ہے کہ: "مومن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ مومن اپنے آپ کو ذلیل کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ناقابل برداشت (طاقت سے زیادہ) آزمائش میں خود اپنے آپ کو ڈالتا ہے"۔ [ترمذی، مشکوٰۃ]

اس لیے یہ بات طے ہے کہ انصاف اور اعتدال و میانہ روی ترک کرنے سے ہی انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے، انتہا پسندی، اعتداء، عدوان، ہر صورت میں منع ہے۔ چنانچہ مختصر الفاظ میں مگر جامع انداز میں یہ حکم دے دیا گیا کہ "وَلَا تَعْتَدُوْا" (حد سے آگے نہ بڑھو) [المائدہ: ۵/۸۷] سورۂ بقرہ میں یہ مضمون کئی جگہ بیان ہوا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا" [البقرۃ: ۲/۲۲۹] (یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں سو اس کے آگے مت بڑھنا)۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" [البقرۃ: ۲/۱۹۰] (بے شک اللہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ انتہا پسندی کی مذمت دوسرے الفاظ میں اس طرح کی گئی: "وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" [ہود: ۱۱/۱۱۲] (اور حد سے تجاوز نہ کرنا، اللہ تمہارے سب اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے)، یہی حکم سورۂ طٰہٰ میں مکرر دیا گیا [طٰہٰ: ۲۰/۸۱]۔ حدود سے تجاوز کرنے والوں (للطاغین) سرکشوں کو برے ٹھکانے کی وعید سنائی گئی ہے، [ص: ۳۸/۵۵]۔ یہی وعید جہنم سورۂ نبا [۷۸/۲۲] میں بھی مذکور ہے۔ مذہبی انتہا پسندی تو اور بھی زیادہ دین و دنیا دونوں جگہ خسارے کا باعث ہو سکتا ہے، لہٰذا یہود ونصاریٰ، اہل کتاب کو سرزنش کرتے ہوئے گویا اہل ایمان کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ: "لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ" [النساء: ۴/۱۷۱] (اپنے دین کے معاملے میں حد سے آگے نہ بڑھو، غلو سے کام نہ لو)، نیز دین میں غلو یا انتہا پسندی میں دوسرے لوگوں کے آلۂ کار بننے سے بھی گریز کرنا چاہیے، یہ بھی احتیاط ضروری ہے کہ کسی ظلم و زیادتی اور انتہا پسندی کے کاموں میں نہ تو کسی سازش اور منصوبہ بندی کا حصہ بنیں: "فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [المجادلہ: ۵۸/۹]، اور نہ اس قسم کے کاموں میں مدد و تعاون بہم پہنچائیں۔

تعلیمات نبویؐ سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کی وہ شکل وصورت جو بظاہر بڑی معصوم ہے اور جس میں کسی دوسرے کا نقصان بھی نہیں ہے، لیکن بہر حال اعتدال سے تجاوز اور غلو پایا جاتا ہے، اس لیے وہ بھی شرعاً ممنوع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اس قسم کی کسی بے اعتدالی کی خبر ملتی تو آپؐ اس کو فوری نوٹس لیتے اور اصلاحی تدابیر اختیار فرماتے تھے، چنانچہ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ کے بارے میں جب ہمہ تن مصروف عبادت ہونے کی اطلاع ملی تو ان کو فوراً بلا بھیجا، بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے عبد اللہ! کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! ایسا ہی کرتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: یہ طرز عمل اختیار نہ کرو، روزہ رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو تہجد بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، اس لیے کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے''۔[بخاری، مشکوٰۃ]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان پاؤں گھسیٹتے ہوئے جا رہا ہے، آپؐ نے دریافت فرمایا: اسے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اس نے نذر مانی ہے کہ بیت اللہ کا سفر پیدل کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے آپ کو اذیت دینے سے بے نیاز ہے، اور اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر سوار ہو کر اپنا سفر پورا کرے۔[ایضاً]

بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک مسجد (البیت) میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ چھت کے کنڈوں سے بندھی ایک رسی لٹک رہی ہے، آپؐ نے فرمایا: "ما ھذا الحبل"؟ یہ رسی کیسی ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ (ایک عورت) زینب نے اپنے لیے لٹکا رکھی ہے کہ جب تھکن سے اونگھ آنے لگتی ہے تو اپنے آپ کو اس سے لٹکا لیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا: اس کو فوراً کھول ڈالو، تم میں کوئی اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ نشاط و فرحت رہے، جب اونگھ آنے لگے تو اسے چاہیے کہ سو جائے۔[امام نووی، ریاض الصالحین، ص/۵۲]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات انتہا پسندی کا ارتکاب لاعلمی میں یا نادانستہ طور پر بھی ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات کچھ نادیدہ محرکات، وقتی جذبات و احساسات کے تحت بھی انتہا پسندی سرزد ہو جاتی ہے، حاصل گفتگو یہ کہ انتہا پسندی اور غلو چاہے اس کی نوعیت، شکل اور اظہار کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو، دین کے نزدیک بہر حال پسندیدہ اور مستحسن نہیں۔ بلکہ اس کے خاتمے کے لیے شعوری کوششوں کی ضرورت ہے اور مذہبی انتہا پسندی کا امتناع تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے، مگر یہ احتیاط لازم ہے کہ انتہا پسندی کی نوعیت و ماہیت کو پہلے سمجھ لیا جائے، اس لیے کہ کسی مقصد کے لیے جد و جہد، تحریک، ترغیب اور تخریب کے خطوط بہت قریب سے گزرے ہیں اور دفع و استیصال کے لیے پہلے حکمت و تدبیر اور تحمل کو کام میں لانا چاہیے اور آخری چارۂ کار کے طور پر طاقت کا استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ اس بات کا بہت اندیشہ ہے کہ نشۂ طاقت ہی کہیں خرابی کا باعث نہ بن جائے:

صاحبِ نظراں نشہ قوت ہے خطرناک

☆☆☆☆☆

حیاتِ امم کا قانونِ الٰہی

قرآن حکیم نے حیاتِ امم کے قانون الٰہی کا اعلان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ابتدائے خلقت سے جس طرح حق و عدالت کا ظہور یکساں رہا ہے، اسی طرح بطلان و فساد کا ظہور بھی یکساں رہا ہے، جس طرح حق کی صدائیں ہمیشہ ایک ہی طرح اٹھتی رہیں، اسی طرح ظلم و عدوان کے دعوے بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوئے ہیں، جس طرح حق و ہدایت کی شکل و صورت اور خصائص و اوصاف ہر عہد میں ایک ہی طرح کے رہے ہیں، اسی طرح بطلان و فساد کا رنگ روپ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے، چنانچہ وہ جا بجا کہتا ہے: بل قالوا مثل ما قال الأولون، پھر اس استقراء کے بعد وہ اس قدرتی یقین واذعان کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ جس طرح حق و باطل کی یہ دو زنجیریں متقابل و متوازی چلی آتی ہیں، ضرورت ہے کہ آئندہ بھی جاری رہیں، تا آنکہ حق کی آخری فتح مندی کا وقت آ جائے اور بطلان و فساد کی تمام سرکش قوتیں مٹ جائیں، لیظھرہ علی الدین کلہ، پس ماضی میں جو نتائج نکلے ہیں، ضرور ہے کہ مستقبل میں بھی نکلیں، ہمیشہ ایسا ہی ہوگا کہ حق و باطل، نور و ظلمت کا معرکہ آویزش و کشاکش گرم ہوگا، کہ یہ خاصۂ طبیعت ہے کہ اس کی رفتارِ ظلم و استعدادِ فساد جس قدر بڑھتی جائے گی، اتنا ہی وہ ہلاکت و خسران کے لیے تیار ہوتا جائے گا، حق کی مظلومی میں بالطبع داعیہ فتح ہے اور ظلم و سرکشی میں بالطبع داعیہ خسران، کچھ عرصہ کشمکش جاری رہے گی اور فساد کو تکمیل مادۂ خسران کے لیے خاص زمانے تک مہلت دی جائے گی، اس مہلت کو قرآن حکیم نے جا بجا "تمتع الی حین" اور "تربص انتظار و أجل" سے تعبیر کیا ہے اور اس خاص وقت کو جو فرمان الٰہی کے ماتحت ظہور نتائج کے لیے مطلوب ہوتا ہے: "أجل مقدور و أجل مسمّی"، پس جب وہ وقت اور مادۂ فساد تکمیل تک پہنچ کر اعجاز کے لیے تیار ہو جائے گا تو پھر حق و باطل کا آخری فیصلہ ظہور میں آ جائے گا، حق کی مظلومی و درماندگی فتح پائے گی، باطل کی مغرور طاقت و سطوت کچھ کام نہ دے گی۔ ☆☆☆

مولانا ابوالکلام آزادؒ

عصر حاضر

موجودہ صورتحال اور سوشل میڈیا کا استعمال

ابواحمد ندوی

اس بات کا ادراک خواص وعوام سب کو ہے کہ موجودہ وقت میں ملک آزادی کے بعد نازک ترین دور سے گذر رہا ہے، اور سیکولر وغیر سیکولر دو طبقوں میں تقسیم ہوکر باہم دست وگریباں ہے۔ گرچہ یہ جنگ آزادی کے بعد ہی سے سامراج نے دونوں طبقوں میں چھیڑ دی تھی، تاہم ابھی تک ’سرد جنگ‘ جاری تھی جواب ایک کھلی جنگ میں تبدیل ہوچکی ہے، اور ایک ایسے دوراہے پر آکر کھڑی ہوچکی ہے کہ کسی ایک فریق کی فتح نامعلوم مدت تک کے لیے ملک کے مستقبل کو انارکی، خانہ جنگی اور مذہبی وطبقاتی تفرقہ بندی کی طرف ڈھکیل دے گی، جس کے تصور سے ہی روح کانپ جاتی ہے، جب کہ دوسرے فریق کے غلبہ سے ممکن ہے ملک میں سیکولر نظام عملی طور پر بحال ہوجائے، آئین کی بالادستی ہو، اور تمام اقوام و برادریاں باہمی تعاون سے ملک کے اخلاقی، اقتصادی اور سیاسی کھنڈر کو پختہ اور حسین عمارت میں بدلنے کی کوشش کریں، فی الوقت دونوں طبقوں کے افکار وگفتار، اور خیالات ونظریات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے۔

جہاں تک اس جنگ میں اسلحہ کی بات ہے تو دونوں فریقین کے درمیان بڑا تفاوت ہے؛ ایک فریق کے پاس حکمرانی کی طاقت کے علاوہ الکٹرونک اور پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا آئی ٹی سیل ہے، تو دوسرے فریق کے پاس محض کاغذی آئین، محدود میڈیا اور آزاد سوشل میڈیا کی طاقت ہے؛ جس پر دوسرا حکمراں فریق عارضی ہی سہی لیکن پابندی لگانے کا پاور رکھتا ہے اور اس بات کا بھی پاور رکھتا ہے کہ شدت آمیز بیانات وتعبیرات کے بہانے فریقِ مخالف کے کسی بھی ’’کمانڈر‘‘ کو سلاخوں کے پیچھے پہونچا سکتا ہے۔

سوشل میڈیا ہی دراصل سیکولر فریق کا سب سے اہم ہتھیار ہے، اور اس کی اب تک کی کامیابی اسی کے مرہونِ منت ہے، ملک میں اس فریق کے عزم وحوصلہ سے پیدا ہونے والی تحفظِ آئین اور تحفظِ مساوات کی تحریک اسی سوشل میڈیا کی بنیاد پر زندہ ہے، لہٰذا اس فریق کو یہ ہتھیار بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہیے، اور ایسے کسی بھی اندیشے سے دور رہنا چاہیے جس کی بنا پر وہ اس ہتھیار سے محروم کردیا جائے، یا اس کے اس ہتھیار کو بے اثر کردیا جائے۔

اس کے لیے دو باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے؛ اول یہ کہ بے تحقیق یا خوش فہمی پر مبنی مواد کو محض اس خیال سے کہ اس سے فریقِ مخالف کو زک پہونچے گی‘ بے محابہ نقل کرنے سے گریز کرنا چاہیے، عام طور سے مخالفت کا جذبہ ایسا کرنے پر اُکساتا ہے اور ہر موافق مواد کو نقل کرنے سے دل کو تسلی حاصل ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے زبردست نقصان ہوتا ہے، فریقِ مخالف اس کی حقیقت سے لوگوں کو واقف کراکے آپ کی پول کھول دیتا ہے اور بہت سے ایسے ذہن جو آپ کے کاز کی طرف مائل ہورہے ہوتے ہیں دوبارہ فریقِ مخالف کے پالے میں چلے جاتے ہیں، اور بارے ایسا کرنے والے کی ثقاہت مجروح ہی نہیں ختم ہوجاتی ہے، پھر لوگ اس کی حق بات کو بھی اعتماد نہیں بخشتے، اور اس کا فریق نہ جانے کتنے ہمنواؤں کو جو اس کے لیے سپاہ کی حیثیت رکھتے ہیں‘ کھو دیتا ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ ہر جنگ میں سپاہ کی تعداد سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ آئین پسند ہیں، مساوات کی فکر رکھتے ہیں، امن وآشتی پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کی شخصیت اس کا مظہر ہونا چاہیے، آپ کی طرف سے نازیبا مواد، طنزیہ زبان، شدت آمیز بیان، نفرت پر ابھارنے والے نعرے نہیں ہونے چاہئیں، آپ کا کاز ایسا ہے کہ اس کے لیے ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے کہ آپ حق کے ساتھ ہیں اور حق کے اثبات کے لیے ان باتوں کا سہارا لینے کی حاجت نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کا سہارا لینے پر آپ کی بات مشکوک ہوجاتی ہے اور نتیجہ میں حق ہی مشکوک ہوجاتا ہے، لوگ ایسی باتوں کی وجہ سے حق کے خلاف مزید برسرِ پیکار ہوجاتے ہیں اور بالفاظِ دگر آپ اپنے مدمقابل کے کمزور پڑتے دَل کو مزید اقدام اور جارحیت پر اُکسا کر اپنے فریق اور اپنے کاز کا نقصان کرتے ہیں۔

خاص طور پر شدت آمیز مواد کی بنیاد پر تو نقضِ امن کے بہانے قانونی چارہ جوئی بھی کی جاسکتی ہے، آپ کا اکاؤنٹ تو کیا آپ کو بھی بند کیا جاسکتا ہے، اور اس سے یقیناً کوئی فائدہ نہیں؛ بلکہ آپ

کے خلاف کی جانے والی کارروائی سے خوف کھا کر آپ کے فریق کے بہت سے سپاہ مثبت طور پر بھی سوشل میڈیا استعمال نہیں کر پائیں گے اور گویا اپنا اہم ترین ''ہتھیار پھینک دیں گے''۔

سوشل میڈیا اِک بحرِ بیکراں ہے، حق پرستوں کی ذمہ داری ہے کہ اس میں سے صرف 'سچا موتی' ہی تلاش کریں اور اس کو خوبصورت غلاف میں دوسروں کے سامنے پیش کریں، نہ کہ غلاظت کے ڈھیر پر؛ تاکہ اس کو دل کی رغبت سے قبول کیا جائے، نہ کہ منہ بسور کر رد کر دیا جائے، جوش میں ہوش نہیں کھونا چاہیے، ورنہ اپنے ہتھیار سے اپنی ہی جان جا سکتی ہے۔

ایک بات اور لحاظ کرنے کی ہے کہ سیکولر فریق میں مختلف مذاہب، مکاتبِ فکر، اور تاریخی پس منظر کے افراد ہیں، ایسا مواد پوسٹ کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس سے کسی بھی حوالہ سے کسی کے جذبات مجروح ہوں، متفق علیہ مواد کے ذریعہ مقابلہ کرنا چاہیے، ورنہ فریقِ مخالف اس کو آپ کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔

اور آخری بات یہ کہ سیکولر فریق کو اپنا مدمقابل فرقہ پرستی، طبقہ پرستی کی حامل اور انسانیت، عدل و انصاف اور آئین مخالف ذہنیت اور تحریک کو سمجھنا چاہیے، کسی خاص طبقہ یا جماعت کو نہیں؛ کیونکہ انسان کی ذہنیت سمجھانے سے بدل جاتی ہے، اولین کوشش یہی کرنی چاہیے کہ بہتر سے بہتر انداز اور مثبت طریقۂ کار سے فریق مخالف کے افراد کی ذہن سازی کی جائے اور ان کو ہمنوا بنا کر انسانیت نواز اور آئین و دستور کا قائل بنایا جائے، اور اپنے گروپ کی عددی طاقت میں اضافہ کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاہلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ

تالیف: محمود حسن حسنی ندوی

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے سابق شیخ الحدیث، علمِ حدیث و تدریس حدیث میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے جانشین مولانا محمد یونس جونپوری علیہ الرحمہ کی سوانح عمری، مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نے تالیف کی ہے جو سوانح نگاری میں اپنا ایک امتیازی مقام بنا چکے ہیں اور اس فن میں اپنی مخصوص اجتہادی شان بھی رکھتے ہیں۔ مختلف عظیم دینی و علمی شخصیات پر ان کی مفید تصنیفات گذشتہ برسوں میں منظر عام پر آکر مقبول ہوچکی ہیں اور داد وتحسین وصول کرچکی ہیں۔

زیرِ تبصرہ مولانا موصوف کی ضخیم تالیف ”شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ“ بھی ان کے سوانح نویسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جس میں یقیناً ان کی گذشتہ تصنیفات کے مقابلہ زیادہ عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی؛ کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین و منتسبین کو ان کے علمی وروحانی کمالات کا ادراک تو تھا لیکن شخصی وخاندانی احوال و کوائف سے عمومی طور پر ناواقفیت تھی۔ علمی وروحانی کمالات سے متعلق مواد بھی ہندوستان کے مختلف شہروں، صوبوں اور بیرون ممالک میں پھیلے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتگان اور شناساؤں کے ذہنوں اور یاد داشتوں کو کرید کر انھوں نے حاصل کیا، اور یہ مہم سر کی۔ ان کی اس مہم جوئی کی تعریف کتاب کے رسمِ اجراء کے وقت دار العلوم ندوۃ العلماء کے جلیل القدر استاد حدیث مولانا محمد زکریا ندوی سنبھلی نے ان الفاظ میں کی کہ: ”یہ کام ایسا ہی ہے گویا چیونٹیوں کے منھ سے شکر کے دانے اکٹھے کیے گئے ہوں“۔

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ کی شخصیت پر اور بھی کام ہوچکا ہے اور عربی میں بھی ان کی شخصیت پر کتاب آچکی ہے، لیکن سوانحی طرز کا کام ابھی باقی تھا؛ بلکہ زیادہ تر کام سیمیناروں اور رسائل کے تاثراتی مضامین پر مشتمل تھا۔ اس حیثیت سے یہ پہلا کام ہے جو فنی ترتیب، سوانحی اسلوب اور زبان کے ساتھ منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس تالیف کی ہمہ گیری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ شیخ کی حیات و خدمات، علمی کمالات، اوصاف و خصوصیات، افکار ونظریات، تعلیم وارشاد، اجازات و اسانید، علمی و دینی اسفار، احوال و آثار، ممتاز معاصر شیوخ الحدیث اور احباب، تلامذہ واجازت یافتگان تصنیفات و رسائل اور ملفوظات ومکتوبات سے متعلق بیس ابواب کے طویل سلسلہ پر محیط ہے۔

امید ہے یہ کتاب شیخ الحدیثؒ کے منتسبین و محبین کی تشنگی بجھائے گی اور آئندہ نسلوں کو ان کی شخصیت سے واقف رکھے گی۔

سید احمد شہید اکیڈمی، دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی سے شائع ہوکر رائے بریلی اور لکھنؤ کے دینی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

سوانح حضرت امیرِ شریعت

تالیف: ڈاکٹر محمد وقار الدین لطفی ندوی

حضرت امیرِ شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ آزاد ہندوستان میں ان صفِ اول کے علماء مجاہدین میں ہیں جن کی دینی و ملی خدمات اور امتِ اسلامیہ پر ان کے احسانات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جمعیت علماء ہند، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلسِ مشاورت جیسی اہم ملی تنظیموں سے متعلق رہے، اور خاص طور پر مؤخر الذکر دونوں تنظیموں کے تاسیسی مراحل کے روحِ رواں رہے۔ اس کے علاوہ تحریکِ آزادی کے علمبردار ہونے کے ساتھ امارتِ شرعیہ بہار کے امیرِ شریعت رہے۔ مزید برآں قوم وملت کے لیے سیاسی، سماجی اور رفاہی ہر طرح کی خدمات کے لیے خود کو وقف رکھا اور ایک مجاہدانہ زندگی گذار کر گئے جو موجودہ وآئندہ نسلوں کے لیے یقیناً درسِ عبرت اور مشعلِ راہ ہے۔

حضرت امیر شریعت کی حیات و خدمات سے متعلق گرچہ اس سے قبل ”امیر شریعت...... مختصر حالاتِ زندگی“ (از ابو ظفر رحمانی)، ”خصوصی شمارہ نقیب“، ”حضرت امیر شریعت- نقوش وتاثرات“ (از مفتی عطاء الرحمان قاسمی)، ”حیاتِ رحمانی“ (از شاہ عمران حسن) جیسی تصنیفات سامنے آچکی ہیں، اور ان کی شخصیت پر منعقد سیمینار کے مقالات کا مجموعہ (مرتبہ مولانا عمید الزماں کیرانوی) بھی شائع ہونے کی امید ہے، تاہم اپنی ترتیب، اسلوب، جامعیت اور زبان و بیان کے لحاظ سے ڈاکٹر محمد وقار الدین لطفی ندوی آفس سیکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ کی یہ تالیف اپنا اِک خاص مقام رکھتی ہے، جو ابتداء

میں ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا، پھر مزید تنقیح اور جدید ترتیب کے ساتھ اس کو کتابی شکل دی گئی۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے، جن میں بالترتیب ''حالاتِ زندگی''، تعلیمی و تصنیفی خدمات''، ''دینی وملی خدمات'' اور ''سیاسی، سماجی اور رفاہی خدمات'' کو تشفی بخش انداز میں ذکر کیا گیا ہے، اور بالخصوص تصنیفی خدمات کے ضمن میں حضرت امیر شریعت کے اسلوبِ نگارش کا بھی ادبی وفنی نکتۂ نظر سے بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔

سیکولر ہندوستان میں ہر مسلمان کے لیے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی خدمات و احسانات سے واقفیت ضروری ہے اور یہ کتاب بخوبی اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

''مجلس گیارہ ستارے''، بہار سے شائع ہوکر لکھنؤ، مونگیر، پٹنہ، دیوبند اور دہلی کے دینی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

Role of Nadwa in English

تالیف: ڈاکٹر عبید الرحمٰن ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء میں انگریزی زبان اور صحافت کے استاد ڈاکٹر عبید الرحمٰن ندوی متعدد انگریزی کتابوں کے مصنف ہیں، اور انگریزی صحافت میں اندورن وبیرون ملک اپنی اِک خاص شناخت قائم کرچکے ہیں، انھوں نے اپنے قلم گوہر بار کو ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد کے لیے وقف کررکھا ہے۔ موصوف کی تازہ ترین تحریر "Role of Nadwatul Ulama in the field of English Language and Literature" نگاہوں کے سامنے ہے، جس میں انہوں نے انگریزی زبان وادب کے حوالہ سے ندوہ کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ محض ۳۰ر صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ ہے جو بڑا جامع ہے اور اپنے موضوع پر Index کی حیثیت رکھتا ہے، اس کتابچہ میں ابتداءً ندوہ کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے نصابِ تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے، شعبۂ انگریزی اور صحافت کے ذریعہ ندوہ کی خدمات اور آخر میں ندوی فضلاء کی انگریزی زبان میں خدمات پیش کرتے ہوئے ندوہ میں صحافت کے نصاب پر اختتام کیا گیا ہے۔

راقم کے علم میں ندوہ اور انگریزی کے حوالہ سے یہ پہلا باضابطہ کام ہے، مختصر سہی مگر ایک پیش رفت ہے جو آئندہ تفصیلی کاموں کے لیے ممد و معاون بنے گی۔ مظہر ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی، مالدہ ویسٹ بنگال سے شائع ہوکر ندوہ کے قریب تمام کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

دو مہینے امریکہ میں

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

صفحات: ۳۳۲ قیمت: ۳۰۰ر روپے

جدید ایڈیشن اہم اضافوں ومشہور مقامات کی رنگین تصاویر کے ساتھ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ وکناڈا کے طویل دورہ کی دلچسپ اور معلومات افزا روداد، ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے، جس میں اس نئی دنیا کی خوبیاں وخامیاں اور کامیاں وناکامیاں سب بیان کردی گئی ہیں، اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کے دورۂ امریکہ (۱۹۷۷ء) کی مفصل داستان آسان اور دلنشیں پیرایۂ بیان میں سنائی گئی ہے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

ہمارا سماج

جھوٹ سے اجتناب کیجیے!

محمد عزیر انور

اسلامی نقطۂ نظر سے ایمان اور جھوٹ متضاد چیزیں ہیں، دونوں کا جمع ہونا اسی طرح غیر ممکن ہے جس طرح کفر و ایمان جمع نہیں ہو سکتے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کسی کے دل میں ایمان و کفر کا اجتماع نہیں ہوسکتا، اگر کفر ہے تو ایمان نہیں اور ایمان ہے تو کفر نہیں، اور جھوٹ و سچ کا بھی اجتماع نہیں ہوسکتا اور خیانت و امانت بھی جمع نہیں ہو سکتے۔

[مسند احمد: ج ۲/ص ۳۴۹]

جب کہ قرآن پاک کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"جھوٹ تو صرف وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔[سورۃ النحل: ۱۰۵]

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا ہے، احسان نہیں مانتا"۔[سورۃ زمر: ۳]

"اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے"۔[سورہ نور: ۷]

"تمہاری زبانیں جو جھوٹ بیان کرتی ہیں اسے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے"۔[سورۃ النحل: ۱۱۶]

"اور یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں"۔[سورۃ الفرقان: ۷۲]

جھوٹ کے معنی دروغ گوئی اور غلط بیانی کے ہیں اور یہ نہایت قبیح وصف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

جھوٹ گناہ (فجور) کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ [صحیح بخاری]

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں:

۱- جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
۲- جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔
۳- جب عہد و اقرار کرے تو عہد شکنی کرے۔
[صحیح بخاری]

امام نوویؒ منافق کی تین علامتوں والی مشہور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: اکثر محققین علماء کرام کی رائے یہی ہے کہ یہ کام اعتقادی منافقوں کے ہیں، اگر سچا مومن اپنے اندر ایسی عادات و خصائل پیدا کرے گا تو منافق جیسا بن جائے گا یعنی ایسے شخص کے لیے منافق کا لفظ مجازی بولا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے زبان بھی ایک عظیم نعمت ہے، ہر انسان کو چاہیے کہ اس نعمت کا صحیح استعمال کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "انسان جو لفظ بھی بولتا ہے تو اس کے پاس ایک نگراں فرشتہ تیار رہتا ہے"۔[سورۃ ق: ۱۸]

یوم آخرت کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"ہر شخص جان لے گا اس نے آگے کیا بھیجا ہے؟ اور پیچھے کیا چھوڑا؟ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ دیا، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر ٹھیک کیا، پھر برابر کیا، جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا، ہرگز نہیں، بلکہ تم جزاوسزا کے دن (قیامت) کو جھٹلاتے ہو اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں، عزت والے (اعمال) لکھنے والے جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں، بے شک نیک لوگ جنت میں ہوں گے اور بیشک گناہ گار جہنم میں ہوں گے۔[سورہ انفطار: ۲/۱۴]

اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنی زبان سے ہمیشہ کلمہ خیر، بھلائی اور فائدے کی بات کریں یا پھر خاموش رہیں، کیونکہ خاموشی میں بھی سلامتی ہے جبکہ جھوٹ بولنے والے کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمی جھوٹا لکھا جاتا ہے۔[مؤطا مالک]

جھوٹ بولنے والے کے منہ سے اتنی بدبو نکلتی ہے کہ اس سے فرشتے دور بھاگتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں، اس بدبو کے باعث جو جھوٹ بولنے سے پیدا ہوتی ہے۔

ہمارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے لیل ونہار بہترین نمونہ ہیں، انہیں اپنا کر ہی ہم صحیح معنوں میں دنیوی و اخروی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں، جب والد یا والدہ بچے کو گھر سے جھوٹ بولنا سکھائیں گے تو کل بڑے ہو کر بچے کیسے سچ بول سکتے ہیں؟ اور پھر ایک صالح معاشرہ کس طرح وجود میں آسکتا ہے، اور ہماری نئی نسل صراط مستقیم پر کیسے گامزن ہو سکتی ہے؟

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: کیا بینک میں ملازمت کرنا درست ہے؟

جواب: بینک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ سودی آمدنی پر مشتمل ہوتا ہے نیز اس کی ملازمت سودی کاروبار کے تعاون کی بھی ایک شکل ہے، اس لیے اس کی ملازمت اختیار کرنے میں شرعی اعتبار سے سود جیسے سنگین گناہ کے عمل میں تعاون ہے جو بنص قرآنی ممنوع ہے، لہٰذا بینک کی ملازت متبادل صورت موجود ہونے کی حالت میں جائز نہیں ہے، ہاں! اگر کوئی ملازمت نہ ملتی ہو اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے سودی بینک کی ملازمت اختیار کرنا پڑے تو اسکی اس وقت تک کے لیے گنجائش ہے جب تک کہ کوئی جائز ملازمت نہ مل جائے یا حلال کمائی کی کوئی راہ نہ نکل آئے۔

سوال: ایک شخص بینک میں ملازم ہے اور خیر وبرکت کے لیے اپنے گھر میں کچھ پڑھوانا چاہتا ہے، کیا اس کے یہاں جاکر ایسا پڑھنا پڑھانا جائز ہے؟

جواب: کاروبار میں خیر وبرکت کے حصول کے لیے کچھ پڑھنا پڑھانا تو جائز ہے لیکن اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نفس کاروبار حلال ہو، چونکہ بینک کی ملازمت فی نفسہ ناجائز ہے، اس لیے ایسے کاروبار میں خیر وبرکت کی دعا کے بجائے اس شخص کو حلال کمائی کی ترغیب دینی چاہیے اور اس کے یہاں پڑھنے پڑھانے سے گریز لازم ہے: ”يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ“ [البقرة:۲۷۶]۔

سوال: Pubg کھیلنا شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟

جواب: شریعت کی نظر میں ہر وہ کھیل امر لغو ہے جس کا نہ کوئی جسمانی فائدہ اور نہ ذہنی ورزش سے اس کا تعلق ہو، Pubg کا معاملہ تو اس سے اور آگے ہے کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ اس گیم کو کھیلنے والے عام طور پر جنون کی حد تک اسے کھیلتے ہیں اور ایک عجیب ذہنی الجھن کے شکار رہتے ہیں نیز ایسے بھی واقعات پیش آئے ہیں کہ ان لوگوں نے خود کشی یا قتل کا ارتکاب کیا یا پھر ان کا ذہن اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مختل ہوگئی، ان تمام حقائق کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ شرعی لحاظ سے اس گیم کو کھیلنا درست نہیں اور اپنی صلاحیتوں کو اس میں ضائع کرنے سے گریز لازم ہے۔

”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا“ [لقمان:۶]۔ قرآن مجید کی اس آیت میں لغو و بے فائدہ کھیلوں اور بے سود تفریحات سے منع کیا گیا ہے۔

سوال: کمرشیل انشورنس کی کتنی صورتیں ہیں اور ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: کمرشیل انشورنس کی بنیادی طور پر تین صورتیں ہیں:

۱- لائف انشورنس، ۲- املاک (مال واسباب) کا انشورنس، ۳- ذمہ داریوں کا انشورنس، علماء کی ایک قلیل تعداد اس کو جائز قرار دیتی ہے، ان علماء میں مشہور فقیہ شیخ مصطفیٰ زرقاء، شیخ علی الخفیف اور ہندوستان کے اہل علم میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی قابل ذکر ہیں، لیکن عالم عرب اور ہندوستان کے اکثر علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، فریقین کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے دونوں کے دلائل کا تجزیہ کرکے اپنی یہ رائے دی ہے کہ بہ صورت موجودہ کمرشیل انشورنس کو جائز قرار دینا درست نظر نہیں آتا۔

ناچیز اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ عدم جواز کا پہلو کتاب وسنت سے قریب اور احتیاط پر مبنی ہے۔

سوال: ٹریفک حادثات کے انشورنس کا کیا حکم ہے؟

جواب: موجودہ دور میں ٹریفک حادثات کو سامنے رکھے ہوئے دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں انشورنس کا نظام پایا جاتا ہے، اور ہر گاڑی والے کو چار و ناچار اس نظام میں شامل ہونا پڑتا ہے اور کچھ رقمیں اس میں قسط وار جمع کرنی پڑتی ہے، اگر خود کی گاڑی حادثہ کا شکار نہیں ہوئی تب بھی یہ رقم دینی پڑتی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس کی حیثیت ”نظام معاقل“ کی ہے جس کی شرعِ اسلام میں اجازت ہے، غور کیا جائے تو انشورنس کی اس صورت میں سود نہیں پایا جاتا ہے اور حادثہ پیش نہ آنے کی صورت میں اپنی رقم بھی نہیں ملتی بلکہ وہ حادثہ میں مبتلا لوگوں کو مل جاتی ہے جو ایک طرح کا تبرع ہے جس کی شریعت اسلامی میں اجازت ہے۔

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوة العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.

Postal Regd. No: S.S.P/LW/NP/63/2018-2020
R.N.I. No : UPURD/2001/06071
Published on 8th and 23rd of every month
Date of Posting : 10,12 / 25,27
Posted at R.M.S. Charbagh, Lucknow-04

Fortnightly
TAMEER–E–HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Office Time :07:30 am To 01:30 pm
Website : www.tameerehayat.com
Email : tameer1963@gmail.com
info@tameerehayat.com

Vol. No. 57 Issue No.05 | ISSN 2582-4619 | 10 January 2020

PAY ONLINE
We accept debit and credit cards from all card associations
VISA Maestro MasterCard NET BANKING
www.tameerehayat.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*,
Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at
Azad Printing Press Mahboob Building
Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085